لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

ادب کی خاصیت وقوت

ادب کی بڑی خاصیت اورقوت یہ ہے کہ وہ رجحانات ومیلانات اورعمل ، طرزفکر، اخلاق اورانقلاب کے محرکات پیدا کرتا ہے، اس لیے وہ بہت مفید بھی ہوسکتا ہے اور بہت مضر بھی، وہ بڑی تعمیری طاقت بھی ہے اور تخریبی بھی، اس لیے اس کو کسی حال میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اس کو تعمیر کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے، اور تخریب کے لیے بھی، اوران دونوں کے مظاہر ہر دور میں دیکھنے میں آسکتے ہیں، وہ معاشروں کی تخلیق بھی کرسکتا ہے، اور حکومتوں کی تعمیر اور تاسیس بھی، اس لیے اس کی سخت ضرورت ہے کہ اس کو (کتابۃً وخطابۃً وشعراً ونثراً) صحیح رخ پر لگایا جائے اور اسے تخریب، انتشار خیال، لذت اندوزی اور نفس پروری کا ذریعہ بننے کے بجائے اس کو خیر پسندی صلاح وتقویٰ، ضبط نفس اور صحیح رہنمائی کا آلہ اور ہتھیار بنایا جائے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

سالانہ زرتعاون -/250

۲۵/دسمبر ۲۰۱۲ء

فی شمارہ =/12₹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پندرہ روزہ

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

جلد نمبر ۵۰ — ۲۵ / دسمبر ۲۰۱۲ء مطابق ۱۱ / صفر المظفر ۱۴۳۳ھ — شمارہ نمبر ۴

١٠٥٥٨
١٨١٢٦٥

اس شمارے میں

شعروادب

زمانے کا آقا، غلام زمانہ — جگر مرادآبادی مرحوم — ۲

اداریہ

ہماری زندگی کا ایک قابل غور پہلو — شمس الحق ندوی — ۳

دین کامل

اسلامی تہذیب وتمدن اور مسلمان — حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ — ۵

یادوں کے چراغ

وکیل احمد وکیل انصاری جون پوریؒ — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۹

نور ہدایت

قرآن مجید انسانی زندگی کا رہبر کامل — مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی — ۱۲

تحریک ندوۃ العلماء

دارالافتاء ندوۃ العلماء۔ تعارف اور خصوصیات — مولانا مفتی محمد ظہور ندوی — ۱۶

مسلم سماج

نکاح میں کفو کی شرط — مولانا مفتی محمد تقی عثمانی — ۱۸

اصلاح معاشرہ

ماہ صفر احادیث کی روشنی میں — مولانا عبدالقادر پٹنی ندوی — ۲۰

فقہ و فتاویٰ

سوال وجواب — مفتی محمد ظفر عالم ندوی — ۲۲

حقوق وفرائض

تاجروں کے فضائل وآداب — خالد فیصل ندوی — ۲۳

رودادچمن

قرآن فہمی کے لیے قلب سلیم کی ضرورت — جاوید اختر ندوی — ۲۶

تعارف وتبصرہ

رسید کتب — محمود حسن حسنی ندوی — ۲۹

جہان مسلم

فن لینڈ میں اسلام اور مسلمان — وصی احمد — ۳۱

زیر سرپرستی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مولانا مفتی محمد ظہور ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیر نگرانی

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی
(ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسؤل

شمس الحق ندوی

نائب مدیر

محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

- مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی
- مولانا خالد ندوی غازی پوری
- نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayat
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-226007
E-mail: nadwa@sancharnet.in, Ph: (0522) 2740406

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

سالانہ زرتعاون -/250	فی شمارہ -/12	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے 50$

ڈرافٹ تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30 روپے زائد ... کا خیال رکھیں۔

آپ کے خریداری نمبر کے نیچے اگر کالی لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلدی زرتعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ اگر موبائل یا فون نمبر ہو تو اپنے شہر کے کوڈ نمبر کے ساتھ لکھئے۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

Ready made
R.C.C. Precast
Minar for Masjid.

آرسی سیمنٹ کے پریکاشٹ تیار شدہ مسجد کے مینار، کم قیمت، کم وقت میں پھٹنگ، مضبوط اور خوشنما مینار کے لیے رابطہ کریں۔

Zam Zam Minar زم زم مینار

Old Haiderganj, Lucknow
اولڈ حیدر گنج لکھنؤ

Mob.: 9935511786, 9793380786 موبائل
9793379786, 9453138424
website: www.Zamzamminar.com ویب سائٹ

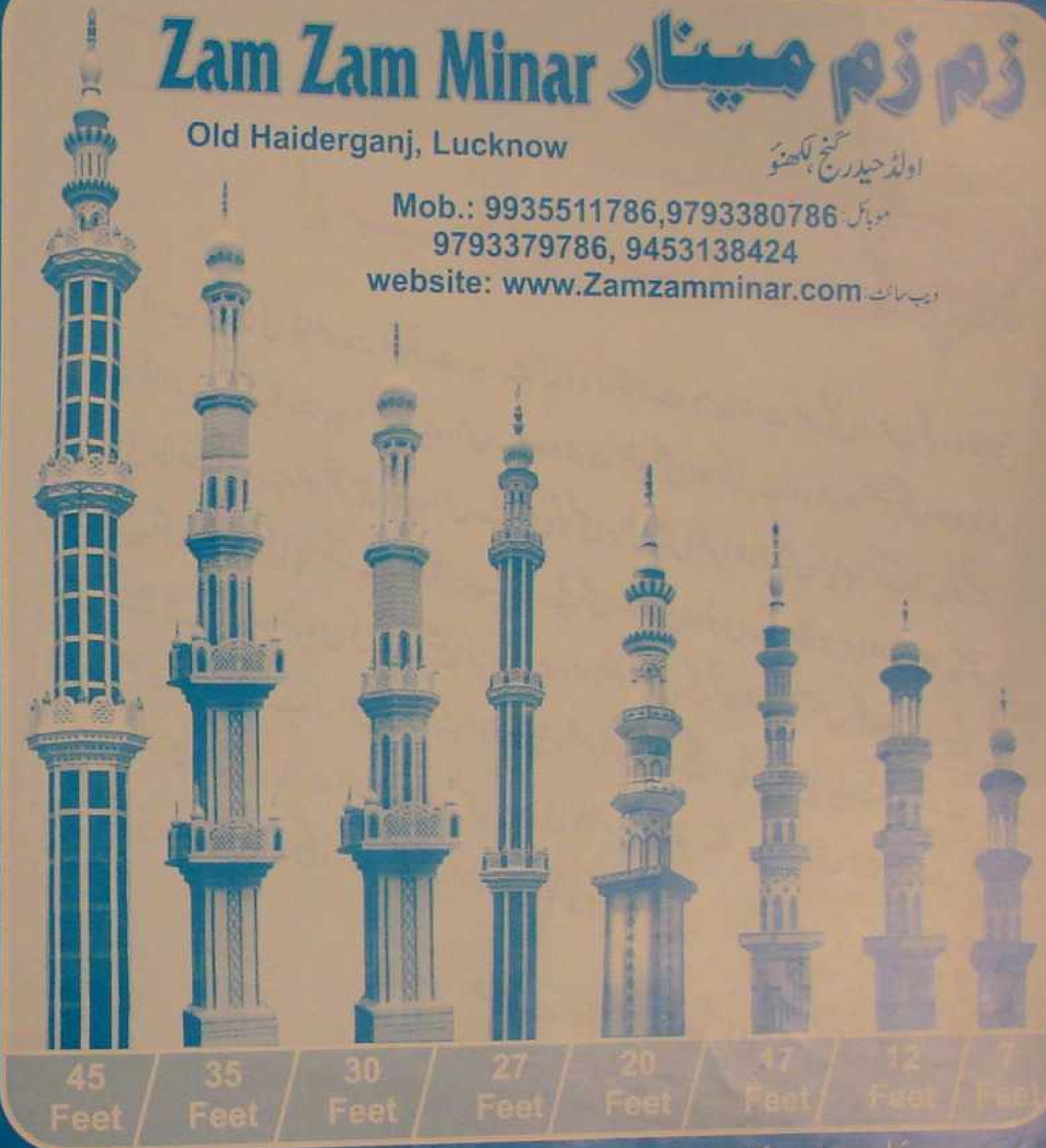

شیشہ و ٹائلس کے بھی مینار 7 سے 45 فٹ تک آرڈر پر بنتے ہیں۔

شعر و ادب

زمانے کا آقا، غلام زمانہ

جگر مرادآبادی مرحوم

کدھر ہے تو اے جرأت باغیانہ
بدل دے مقدر، پلٹ دے زمانہ

کھلا باب زنداں تو کیا اس سے حاصل
کہ خود زندگی بن گئی قیدخانہ

محبت اڑی جا رہی ہے دلوں سے
حقیقت بنی جا رہی ہے فسانہ

شرافت کا معیار، افراط دولت
صداقت کی معراج لفظی ترانہ

زبانوں پہ اصلاح قومی کے نعرے
مگر تنظیمیں بیشتر مفسدانہ

غریبوں پہ جو کچھ گزرتی ہے گزرے
سمٹ آئے جیبوں میں لیکن خزانہ

تبسم خود اک پیکر مادیت
مگر درس روحانیت عارفانہ

نتائج سے بھی آنکھ کھلتی نہیں ہے
ہر اقدام اب تک ہے نامنصفانہ

بشر کی یہ پستی ارے توبہ توبہ
زمانے کا آقا، غلام زمانہ

☆☆☆☆☆

اداریہ

ہماری زندگی کا ایک قابل غور پہلو

شمس الحق ندوی

مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نفاق سے متعلق اپنی ایک طویل گفتگو میں - جو رسالہ کی شکل میں بھی شائع ہوگئی ہے - فرماتے ہیں:

''اطراف کے لوگوں کا مجھ سے یہاں آکر اعتقاد ظاہر کرنے کا ایک خاص موسم ہوتا ہے، اس وقت یہ بھی دیکھتا ہوں کہ عام مسلمانوں میں ایک بیداری پیدا ہوجاتی ہے جوان، بوڑھا، عورتیں، بچے سب میں عمل کا جوش ہوتا ہے، اور وہ زمانہ ہوتا ہے الیکشن کا یا اسی قسم کی کسی سیاسی ضرورت کا، اس وقت ہر جانب سے خطوط آتے ہیں، وفود آتے ہیں، فرداً فرداً لوگ آکر ملاقات کرتے ہیں، اور اپنے آنے کی غرض صرف دعا ظاہر کرتے ہیں، لیکن میرے لیے وہ وقت بہت نازک اور بڑا ہی سخت ہوتا ہے، اس لیے کہ اگر ان سے نہ ملوں تو کہیں گے کہ کس قدر بداخلاق ہیں کہ ایک مسلمان دعا کے لیے آتا ہے اور اس سے ملاقات تک کے روادار نہیں ہوئے، نیز اس کو تو خود میرا ضمیر بھی نہیں گوارا کرتا، اور اگر ملتا ہوں تو یہاں سے جانے کے بعد ہر شخص یہی کہتا ہے کہ میرے موافق ہیں اور غلط غلط باتیں میری طرف منسوب کرکے ایک فتنہ برپا کردیتے ہیں''۔

راقم سطور کے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مکمل پچپن سال گذر چکے ہیں جن میں سے پچاس سال محتاط اندازہ کے مطابق فکر و شعور کے گذرے ہیں، اس مدت میں برابر یہ مشاہدہ کرتا رہا کہ الیکشن آیا نہیں کہ حضرت مولانا پر پروانوں کا ہجوم شروع ہوا، ان پروانوں میں ہندوستان کے چوٹی کے لیڈر شامل ہوتے، اور ہمارے حضرتؒ (حضرت مولانا علی میاں ندویؒ) سب کا پورا اکرام کرتے، چائے ناشتہ کا ان کے مرتبے کے مطابق انتظام ہوتا اور کیوں نہ ہوتا کہ وہ جس نبی برحق کے وارث ہیں، ان کا ارشاد ہے کہ: "اکرموا کریم کل قوم" قوم کے معزز افراد کے ساتھ انسانیت کے ناتے اچھے اخلاق و اعزاز کا معاملہ کرو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عملاً کرکے بھی دکھایا ہے۔

لیکن ہمارے حضرتؒ ہر آنے والے لیڈر رونیتا سے جو بات کرتے، اس کا نچوڑ ایک ہی بات ہوتی کہ ملک ڈوب رہا ہے، اس کو بچانے کی فکر کیجیے، وہ دعا کی درخواست کرتے تو فرماتے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے اہل ملک کی خدمت کا کام لے۔ حضرت کی پوری گفتگو کا ملتا جلتا یہی نچوڑ ہوتا تھا جو عرض کیا گیا۔

لیکن ملاقات کرکے جانے والا ہر پارٹی کا لیڈر یہی کہتا اور پریس تک میں آتا کہ حضرت نے ہماری تائید فرمائی ہے۔

ملک کے نازک حالات پر سوسو آنسو رونے والا سچا محب وطن ان سیاسی بازی گروں کے بیان پر اپنے اصل فکر ور جحان کو پریس کے حوالہ کرنا اس وقار و عظمت کے خلاف سمجھتا تھا جو اسے عطا ہوا تھا، لہٰذا اپنے پرائے سب قیاس آرائیاں کرتے اور حضرتؒ دل پر پتھر رکھ کر سب کچھ برداشت فرماتے، ایک موقع پر خاص پس منظر میں حکومت نے کچھ عرصہ کے لیے حضرت کے لیے سرکاری سیکورٹی لگادی تھی۔

یہی صورت حال حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین ناظم ندوۃ العلماء و صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ساتھ پیش آرہی ہے کہ ہر مکتب فکر کے لوگ آتے اور ملتے ہیں اور آپ سب کے ساتھ اکرام کا معاملہ فرماتے ہیں۔

ایک الیکشن کے موقع پر ایک صاحب عیادت کے بہانے تشریف لائے، پوچھا: حضرت! مزاج کیسا ہے؟ حضرت نے فرمایا: ''ہمارا مزاج تو جیسا ہے، ہے، ملک کا مزاج بہت خراب ہے''۔ پھر آگے ہوتا وہی ہے جو شروع میں حضرت شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمادیا۔ یہ بات تو سیاست کی حد تک ہوئی، سیاست تو ہے ہی ایسی چیز کہ اس میں شطرنج کے مہروں کی طرح حیرت انگیز چالیں چلی جاتی ہیں حتی کہ خرید و فروخت کا بھی بازار گرم ہوجاتا ہے۔

حضرت شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک بیان میں مزید افسوسناک بات بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس لوگ آتے ہیں دینی و تربیتی غرض سے کم، دنیاوی فائدہ کے مقصد سے زیادہ آتے ہیں اور اس کی بڑی تعجب خیز مثالیں بیان فرمائی ہیں، پھر بڑے درد کے ساتھ فرماتے ہیں، لیکن بھائی! اب اس لیے برداشت کرنا پڑتا ہے کہ اس ہجوم میں چند مخلص بھی ہوتے ہیں، وہ کام کے بن جاتے ہیں پھر ان سے سیکڑوں کو فائدہ پہنچتا ہے، ہم اپنے مرشد و مربی حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے پاس آنے والوں میں اکثر ایسا محسوس کرتے تھے، لیکن خود کو بھی ملامت کرتے تھے کہ تمہیں کیا خبر؟

حضرت کے شیدائی، ہمارے دوست جناب طارق حسن عسکری (مقیم مدینہ منورہ) حضرت سے بہت بے تکلف تھے، ایک دن کہنے لگے: حضرت! یہ جو لوگ آپ سے ملنے آتے ہیں اور عقیدت ظاہر کرتے ہیں، اپنا کوئی مطلب لے کر آتے ہیں۔ طارق صاحب نے کہا کہ میری بات سن کر حضرت نے برجستہ فرمایا: طارق صاحب! آنے والا جس وقت مصافحہ کرتا ہے سمجھ جاتا ہوں کہ کس مقصد سے آیا ہے۔

بات کہنے کی نہیں لیکن موقع کی مناسبت سے کہہ دینے میں کوئی حرج بھی نہیں کہ یہی بات حضرت کے خلف الرشید اپنے موجودہ مرشد و مربی میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ لوگ بڑے دھوکے میں رہتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ وہ بڑے سادہ لوح ہیں، لوگوں کو سمجھ اور بھانپ نہیں پاتے، حالانکہ واقعہ وہ ہے، جو کہنے والے نے بہت پہلے کہہ دیا ہے ؎

شنیدم کہ مردان راہ خدا
دل دشمناں ہم نہ کروند تنگ

اور جگر مرحوم کی زبان میں ؎

اپنا زیاں منظور سہی
اوروں کا زیاں منظور نہیں

مفکر اسلام حضرت مولا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ بار بار فرماتے تھے یہ مادیت کا دور ہے، بلکہ سورۂ کہف کی تفسیر ہی ”معرکۂ ایمان و مادیت“ کے نام سے لکھی، ایک دن ایک نیاز مند نے عرض کیا کہ حضرت! مادہ پرستی تو ہمیشہ سے رہی ہے، کوئی نئی بات تو ہے ہی نہیں؟ فرمایا: اتنی نہیں رہی، اس لیے کہ حضرت دین دار طبقہ بلکہ یوں کہیے کہ علماء کے طبقہ میں بھی اس بڑھتے ہوئے رجحان کا نقشہ دیکھ اور محسوس کر رہے تھے۔ اور اب تو ایسے ایسے حالات سامنے آ رہے ہیں کہ خدا کی پناہ! عقل حیران رہ جاتی ہے کہ مال و جاہ کی طلب زہد و تقویٰ کا لبادہ اوڑھنے والوں کو بھی افسوسناک سطح تک اتار دیتی ہے۔

آخری درجہ کی بات یہ ہے، جس کی طرف حضرت شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے درد کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے کہ اب تو لوگ اہل اللہ کے پاس بھی جہاں صرف اصلاح باطن کی خاطر لوگ جایا کرتے تھے، وہاں بھی اب صرف مادی ہی فائدہ کی غرض سے جاتے ہیں، ان بزرگوں سے انتساب ظاہر کر کے لوگوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، بہتوں کو تو خلافت کا بڑا شوق ہوتا ہے کہ اگر یہ سند مل گئی ہے تب تو پانچوں انگلیاں گھی میں، حضرت شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بہت سے حاضر باشوں کے بارے میں نام لیے بغیر اس کا بڑے پرسوز انداز میں ذکر کیا ہے۔

ایک طبقہ ایسا بھی ہوتا ہے، جس میں علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ دونوں ہی مشاہیر کے نام پر ادارے قائم کرنے کے بڑے شائق ہوتے ہیں کہ اس نسبت سے وصولی خوب ہوگی، بزرگوں کی یادگار قائم کرنا بڑی اچھی بات ہے، قدردانی اور احسان شناسی کی بات ہے، اس میں بڑی خیر و برکت ہے، لیکن حصول زر کی نیت سے ایسا کرنا بڑی بدنصیبی، نحوست و بے برکتی کی بات ہے، اس کی بعض وقت بڑی رسوا کن صورتیں سامنے آتی ہیں جن سے سر شرم سے جھک جاتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی پیش گوئی فرمائی ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ ایک مسلمان معمولی دنیاوی فائدہ کی خاطر اپنا دین بیچ دے گا: "يبيع دينه بعرض من الدنيا"۔

مشہور صاحب قلم و ادیب مصطفیٰ لطفی منفلوطیؒ نے اپنے ایسے ہی تجربہ اور مطالعہ کی بناء پر بڑی مبنی بر حقیقت بات لکھی ہے کہ زبان کا جھوٹا تم کو ایک بار دھوکہ دے سکتا ہے، لیکن عمل کا جھوٹا تم کو بار بار دھوکا دے سکتا ہے۔ اس کا پارساؤں کا لباس اور ہاتھ کی تسبیح، ہونٹوں کی حرکت سادہ لوح اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے دلوں پر بزرگی کا ایسا جادو کر دیتی ہے کہ پھر وہ اس کے جال سے نکل نہیں پاتے جیسے گویا ان پر جادو کر دیا گیا ہو۔

ہماری زندگی کا یہ وہ افسوسناک پہلو ہے، جس کو غلط اور گناہ سمجھنے کے بجائے ذہانت اور ہوشیاری سمجھا جاتا ہے، جس کو اقبال مرحوم نے اس طرح ادا کیا ہے ؎

ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

ممکن ہے ہماری گذارشات کو مبالغہ یا بے جا بدگمانی پر محمول کیا جائے، اور کہا جائے ؎

ناصحا! مت کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے
میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

لیکن یہ وہ حقائق ہیں جو عام ہیں اور راقم سطور نے اہل دل اور جہاں دیدہ بزرگوں کی باتوں کو نقل کیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

دین کامل

اسلامی تہذیب و تمدن اور مسلمان

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اسلام کو بالکل ابتدا ہی میں ایک ایسے انوکھے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا جس سے ادیان و مذاہب کی تاریخ میں کسی مذہب کو واسطہ نہیں پڑا۔

جزیرۃ العرب میں اسلام کے بعد جو دینی، معاشرتی اور عقائدی تعلیمات لے کر آیا تھا، یہ چیلنج اس طرح سامنے آیا کہ اسلام کو دو ایسے ترقی یافتہ تمدنوں سے واسطہ پڑا، جن سے بڑھ کر کسی دوسرے تمدن کا تجربہ انسانی اور تہذیبی تاریخ میں نہیں کیا گیا تھا، یہ دو تمدن رومی اور ایرانی تمدن تھے، یہ تمدن تہذیب، آرٹ، آزادی، نکتہ رسی، تخیل کی بلندی، انسانی زندگی کو سنوارنے اور اس کو منظم کرنے، راحت اور آسائش کے سامان کی فراہمی اور فراوانی میں کئی منزلیں طے کر چکے تھے اور ترقی کے آخری درجہ تک پہنچ گئے تھے، یہ تمدن اپنی تراش خراش میں بڑی رعنائی رکھتے تھے اور بہت حساس تھے۔

قرن اول کے مسلمانوں کا یقین تھا کہ یہ دین زمانہ کا ساتھ دینے کے لیے نہیں، بلکہ زمانہ کی باگ ڈور سنبھالنے اور اس کی راہ نمائی کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، ان کو اپنے دین پر فخر و ناز تھا، اپنی ذات پر اعتماد تھا، اپنی اخلاقی قدروں اور اپنے تمدن کو وہ عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کا ایمان تھا کہ جس دین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے ہیں، وہ محض دین ہی نہیں یا محض چند قوانین کا مجموعہ نہیں، بلکہ وہ دین بھی ہے، تمدن بھی، اس میں احکام بھی ہیں اور معاشرتی نظام بھی، وہ سیف و سنان بھی ہے، قرآن بھی، وہ مسجد و محراب بھی ہے اور حکومت و ایوان بھی، وہ اس دین کو شفا بخش دوا سمجھتے تھے اور صحت بخش غذا بھی۔

رومی و ایرانی تمدن اور اس کے اثرات

رومیوں اور ایرانیوں کو کتابوں سے پٹے ہوئے کتب خانوں، عظیم الشان آلات و وسائل، راحت اور زندگی گزارنے کے مختلف طرز و انداز، خانہ آبادی کے طور و طریق پر ناز تھا اور ان ساری چیزوں سے ان کا تمدن مالا مال تھا۔

ان کے برخلاف عرب اپنے ابتدائی دور میں یا دوسرے الفاظ میں تہذیبی طفولیت کے دور میں تھے، درحقیقت یہ تجربہ جس سے اسلام کو گذرنا پڑا، بڑا نازک تجربہ تھا، اسلام یقیناً آسمانی تعلیمات، عقائد اور اخلاق عالیہ اور آداب حسنہ سے آراستہ تھا، لیکن تہذیب اور معاشرے کی قیادت کی باگ ڈور رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھ میں تھی، اس لیے اس کا امکان تھا اور سارے قرائن بھی بتا رہے تھے کہ یہ عرب اور مسلمان، جنہوں نے ایک تنگ و تاریک ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں اور جن کے پاس بہت محدود وسائل ہیں، جن کی زمین دولت کے سرچشموں سے خالی ہے اور جو تمدن کے وسائل و ذرائع سے بالکل محروم ہیں، جن کی زندگی خیموں اور معمولی مکانات میں گزرتی ہے، اونٹوں اور گھوڑوں پر جن کے مواصلات کا دارومدار ہے، جن کی زندگی خانہ بدوش زندگی ہے، امکان اسی کا تھا کہ یہ امت اسلامیہ روم و فارس کے تجربات کے سامنے جھک جائے گی اور اس بات کے قوی قرائن موجود تھے کہ جو امت ابھی اپنا دور طفولیت گزار رہی ہے، وہ رومی اور ایرانی تہذیب کو اپنی تمام خرابیوں کے ساتھ قبول کر لے گی، کیوں کہ جب کسی بھی چیز کو مکمل طریقہ پر اختیار کیا جاتا ہے تو اس کی خصوصیات اور لوازمات سے دست بردار نہیں ہوا جا سکتا، عقل یہی کہتی تھی اور توقع اس بات کی تھی، اس سے پہلے مسیحیت کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔

رومی تمدن کے آگے مسیحیت کی سپر اندازی

مسیحیت ایک عدل و انصاف پر مبنی اور فطری مذہب تھا، جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے، لیکن یہی مذہب جب یورپ میں داخل ہوا تو محفوظ نہ رہ سکا اور اس کا ڈھانچہ بدل گیا، کیوں کہ اس کے پاس تہذیب نہ تھی، اس کے پاس ایسی جچی تلی اور مفصل تعلیمات نہیں تھیں، جو زندگی میں راہ نمائی کر سکیں، اساتذہ و معلمین کو صحیح راہ دکھا سکیں، مفکرین اور حکام کی مدد کر سکیں، یہ مذہب یہودیوں کی قانونی تعلیمات پر مبنی ایک شریعت کا نام تھا، انصاف، انسانی مساوات، کمزوروں اور مظلوموں پر رحم و شفقت اس کا شیوہ تھا، یہودیوں کی سنگ دلی اور ظلم و زیادتی پر

وہ سخت تنقید کرتا تھا، اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اس مذہب اور اسکے پیرووں نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ وہ کسی خاص تمدن کے حامل ہیں، کسی خاص تہذیب کے داعی اور علم بردار ہیں، مسیحیت جب یورپ میں داخل ہوئی، جہاں پہلے یونانی، پھر رومی تہذیب ترقی کے بام عروج تک پہنچ چکی تھی، جہاں عقل انسانی نے فلسفہ، ادب اور علوم ریاضی میں کمال حاصل کیا تھا، مسیحیت جیسا سادہ مذہب وہاں داخل ہوا تو اس کو بالکل ایک نئی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا، جس کی کوئی توقع نہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ مسیحیت نے یورپی تمدن سے، جس کی قیادت رومیوں کے ہاتھ میں تھی، صلح کرلی یا دوسرے الفاظ میں اس کے سامنے سپر ڈال دی، اس رومی تمدن کی اساس گزشتہ یونانی تہذیب پر تھی، مسیحیت نے جب اس تمدن سے رگڑ کھائی تو اس کے سامنے جھک گئی اور اس کے سانچے میں ڈھل گئی اور مکمل طور پر شکست کھا گئی، اس کے اندر مقابلہ کرنے اور سنبھلنے کی قوت نہ تھی، وہ خود اعتمادی، زندگی اور طاقت ونشاط سے بھرپور چیلنج کے سامنے ٹھہر نہ سکی، نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیت محدود تعلیمات، محدود قوانین، انسانی مساوات، رافت و رحمت، عدل وانصاف، توحید باری تعالیٰ اور وہ بھی ایک مختصر اور محدود زمانہ تک سے آگے نہ بڑھ سکی، معاشرتی نظام، عائلی زندگی، ادب وفن اور بہت سی اخلاقی اور انسانی قدروں میں وہ ترقی یافتہ رومی تمدن کے سراسر زیر اثر ہوگئی۔

یہ واقعہ اس لیے پیش آیا کہ مسیحی مذہب اس قوت سے محروم تھا جس کے ذریعہ وہ اس چیلنج کا مقابلہ کرتا، رومی تہذیب کی چمک دمک سے خیرہ نہ ہوتا۔

تاتاری اور اسلامی تمدن

دوسرا تجربہ انسانی تاریخ میں تاتاریوں کا تجربہ ہے، درندہ صفت منگولین یعنی تاتاریوں نے خود عالم اسلام پر ٹڈی دل کی طرح حملہ کیا اور اس سیل رواں کی طرح ٹوٹ پڑے، جس کا روکنا اور مقابلہ کرنا آسان نہ تھا، انہوں نے جب عالم اسلام کو اپنا نشانہ بنایا تو وہ طاقت سے بھرپور تھے، ان کے پاس ہزاروں سال کی محفوظ طاقت تھی، جس کا انہوں نے استعمال نہیں کیا تھا، ان کی طاقت سے ٹکر لینا آسان نہ تھا، انہوں نے عالم اسلام پر حملہ کرکے خون کی ندیاں بہادیں اور عالم اسلام کی شان وشوکت کا چراغ گل کردیا اور مسلمانوں کی بے حرمتی کی، مسلمان اس طاقت اور بلاخیز سیلاب کے سامنے پیچھے ہٹتے رہے، ان کی حکومتیں ایک ایک کرکے شکست کھاتی رہیں اور مسلمانوں نے یہ تسلیم کرلیا کہ ان کے اندر تاتاریوں کے مقابلہ کی طاقت نہیں، نیز تاتاریوں کو کوئی طاقت پھیر نہیں سکتی، کسی میں دم نہیں کہ ان کو زیر کردے۔

یہاں تک کہ یہ بات ضرب المثل بن گئی، اگر یہ کہا جائے کہ تاتاری فلاں معرکہ میں شکست کھا گئے تو کہہ دینا کہ جھوٹ ہے، تاتاری اور شکست کھا جائیں، یہ خونخوار درندے اور پسپا ہو جائیں، ناممکن ہے، عقل اس کو قبول نہیں کرتی، تاتاریوں کا رعب پورے عالم اسلام پر چھا گیا تھا، ایسا ہولناک خوف ورعب، جس کا شاید کبھی کسی انسان کو تجربہ نہ ہوا ہو، سب ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی گرد تھے، ان کے رحم وکرم کے منتظر تھے، لیکن آخری نتیجہ کیا رہا ہے؟

اسلامی تمدن کی فتح

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسلام جس کو بظاہر ان کے سامنے شکست کا منھ دیکھنا پڑا تھا جو ان کے مقابلہ میں پسپا ہوگیا تھا اس نے ان فاتحین کو فتح کرلیا، اس نے تلوار کی نوک سے نہیں فتح کیا کیوں کہ اس کی تلوار کند ہوچکی تھی، مسلمانوں کی تلوار نیام میں تھی، وہ مایوس ہوچکے تھے اور کہتے تھے کہ یہ تلوار کچھ نہ کرسکے گی، اس کی دھار تاتار کے مقابلہ میں بیکار ہوچکی تھی، وہ کیا چیز تھی جس نے تاتار کو فتح کیا؟ وہ دین کا اعجاز تھا جو دائمی، ابدی، غالب وفاتح، حسین وخوش نما، دل کش ودل نواز دین ہے اور پھر آگے بڑھ کر اسلامی تمدن نے ان کو اپنا مفتوح بنالیا کیوں کہ تاتار تمدن سے عاری تھے، وہ انسانوں کی شکل میں درندے یا درندے نما تھے، دنیا سے کٹی ہوئی ایک تنگ وادی سے اس کشادہ ووسیع دنیا میں آئے تھے، جس نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کرلی تھیں، ان کو ایک تمدن کی ضرورت تھی، صحرا کی زندگی میں ان کو تمدن سے مس نہ ہوا تھا، وہ نیا تمدن اختیار کرنے پر مجبور تھے کیوں کہ کوئی قوم بھی تمدن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، نئی زندگی کے لیے مسائل تھے، کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، معاشرت اور مہمان نوازی کے نئے طریقے تھے، گھروں کی تعمیر کس طرز پر ہو؟ رہائش گاہوں کو آرام دہ، صحت بخش، نشاط وسرور سے بھرپور کس طرح بنایا جائے؟ یہ سب مسائل تھے، اس سے پہلے وہ نہایت سادی، بدویانہ زندگی گزارتے تھے، اب وہ ایک نئے تمدن کے سامنے تھے، اس وسیع اسلامی تمدن سے ان کا معاملہ تھا جو مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا تھا، اس تمدن نے علوم کو ترقی دی تھی اور صنعتوں کی ایجاد کی تھی، عقل انسانی کو سنوارا تھا، لوگوں کو ذوق لطیف عطا کیا تھا، ان کے لیے ایک نئی حیرت انگیز زندگی پیدا کردی تھی، اس تمدن نے ان کی آنکھوں کو خیرہ کرلیا اور ان کو اسلامی تہذیب و

تمدن کی تقلید کرنے پر مجبور کردیا، وہ اسلام کے قالب میں پگھل گئے اور اسلامی زندگی میں گھل گئے، انہوں نے اسلام کا بغور مطالعہ کیا اور قبول اسلام سے مشرف ہوئے تو دراصل اسلامی تمدن ان کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنا۔

مسلمانوں نے اسلامی تاریخ کے آغاز کے موقع پر پہلی صدی ہجری کی بالکل ابتداء میں بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اور خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب شام ومصر اور عراق وایران کو فتح کیا تو نہایت ترقی یافتہ دو تمدن ان کے سامنے تھے، جن کی مادی ترقی کا تصور کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب پہلی مرتبہ انہوں نے چپاتیاں دیکھیں تو یہ سمجھے کہ ہاتھ صاف کرنے کے لیے دستی رومال ہیں، کھانے کے بعد جب ہاتھ صاف کرنے کے لیے ان باریک چپاتیوں کو اٹھایا تو معلوم ہوا کہ یہ تو روٹی ہے، غرض یہ کہ دینی فتوحات کا جب دور شروع ہوا تو ان کو ایک نئے ترقی یافتہ اور دل کش تمدن میں گھل جانے اور پگھل جانے سے محفوظ رکھا، وہ بات یہ تھی کہ انہوں نے اس تمدن کو نہ تو اپنایا اور نہ زندگی میں اس کی تقلید کی، اس طرح اسلامی تمدن محفوظ رہا اور صحیح و سالم طریقہ سے آج ہم تک پہنچ سکا، آج یہ اسلامی تمدن جس طرح یہاں ہے ویسے ہی ہندوستان و پاکستان میں ہے، سعودی عرب اور مراکش میں ہے، افریقہ اور ایشیاء میں ہے، اس پوری مدت میں تمدن کس طرح اپنی حفاظت کرسکا؟ اس تمدن کے بقا، اس کی قوت اور ٹھہراؤ اور یہاں کے چیلنجوں پر اس غلبہ حاصل کرنے پیچھے کیا راز ہے؟ وہ چیلنج جس کا مقابلہ نہ مسیحی کرسکے، نہ وہ تاتاری فاتح جنہوں نے سارے عالم کو زیر کرلیا تھا اور پورے عالم اسلام کو روند ڈالا تھا، لیکن تمدن کے مسئلہ پر وہ بھی قابو نہ پاسکے تھے۔

مسلمانوں نے اس پیچیدہ اور انوکھی مشکل پر کیسے قابو پایا؟ بہت سے مصائب ومشکلات ایسی ہوتی ہیں جن کو سہار لیا جاتا ہے، مثلاً دینی تعصب کی بنیاد پر ظلم وتعدی جس سے مسلمانوں کو واسطہ پڑتا رہتا ہے اور وہ اس کا مقابلہ کرتے رہتے ہیں، ہم ہندوستان میں بہت سے چیلنجوں کا مقابلہ کررہے ہیں، ہندی قومیت کا چیلنج، غیر اسلامی تعلیم وثقافت کا چیلنج، بت پرستی اور شرک کا چیلنج، اللہ کے فضل سے ہم نے ان چیلنجوں کا مقابلہ کیا اور ڈٹ کر کیا، لیکن جب مسلمان ابتدائی دور میں تھے، بدوی زندگی گزار رہے تھے، سیدھی سادی معیشت تھی، اس وقت انہوں نے اس تمدن کے چیلنج کا کیسے مقابلہ کیا؟ حالاں کہ تہذیب وتمدن کا چیلنج بڑا ہی نازک اور خطرناک ہوتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس مشکل پر مردوں اور عورتوں کے باہمی تعاون سے قابو پایا، مسلمان اپنی دعوت اور اپنے پیغام پر فخر کرتے ہیں، وہ یقین رکھتے تھے کہ ان کا دین کامل اور مکمل ہے اور خاتم الادیان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت آخری نبوت ورسالت ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سن رکھا تھا کہ ”ہم نے تمہارے لیے دین کو مکمل کردیا اور اپنی نعمت تمام کردی اور تمہارے لیے مذہب کے سلسلہ میں اسلام کو پسند کیا“۔ ان کو اس دین کی صلاحیت، قابلیت اور طاقت پر پورا بھروسہ تھا۔

قرن اول کے مسلمانوں کا ایمان ویقین

ان کو یقین تھا کہ یہ دین زمانہ کا ساتھ دینے کے لیے نہیں، بلکہ زمانہ کی باگ ڈور سنبھالنے اور اس کی راہ نمائی کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، ان کو اپنے دین پر فخر وناز تھا، اپنی ذات پر اعتماد تھا، اپنی اخلاقی قدروں اور اپنے تمدن کو وہ عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کا ایمان تھا کہ جس دین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے ہیں، وہ محض دین ہی نہیں یا محض چند قوانین کا مجموعہ نہیں، بلکہ وہ دین بھی ہے، تمدن بھی، اس میں احکام بھی ہیں اور معاشرتی نظام بھی، وہ سیف وسنان بھی ہے، قرآن بھی، وہ مسجد ومحراب بھی ہے اور حکومت وایوان بھی، وہ اس دین کو شفا بخش دوا سمجھتے تھے اور صحت بخش دوا بھی، آج کے بہت سے مسلمانوں کی طرح ان کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ یہ تو صحیح ہے کہ اسلام بحیثیت مذہب سب سے اچھا مذہب ہے اور وہی اللہ کا آخری اور مقبول دین ہے اور اس مذہب کے علاوہ کسی مذہب میں نجات نہیں اور یہی مذہب ابدی اور دائمی ہے، لیکن تمدن ایک دوسری چیز ہے، اس کا دین سے کیا تعلق؟ دین ایک الگ شے ہے اور تمدن بالکل الگ شے، دین جدا اور تہذیب جدا، اس لیے اگر ہم مغرب کی تقلید کریں اور مغربی تہذیب کو اپنائیں تو اس میں ہمارے دین وعقیدہ کے منافی کوئی بات نہیں۔

عرب کے ابتدائی بدو اس نظر سے روم وفارس کے تمدن وتہذیب کو نہیں دیکھتے تھے، وہ اس کے بارے میں کہہ سکتے تھے جو آج ہم امریکن اور یورپین تہذیب کے متعلق کہہ رہے ہیں، اس وقت کی ایرانی اور رومی تہذیب وتمدن اور آج کی امریکی اور مغربی تہذیب وتمدن، حتی کہ روسی تمدن میں حقیقتاً کوئی فرق نہیں، یہ سارے تمدن ایک ہیں،

جن کو ہم میکانکی، مادی، مصنوعی اور ظاہری تمدن سے تعبیر کرسکتے ہیں، جس طرح بہت سے مسلمان افراد اس تمدن کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ سب عقل انسانی اور تجربات کی آخری منزلیں ہیں، تو اگر کل صحرا کے بدو اس وقت کی تہذیب وتمدن کو دیکھ کر کہتے تو معذور ہی سمجھے جاتے، وہ تہذیب وتمدن کی چمک دمک سے بالکل ناواقف تھے، آنکھوں کو چکاچوند کرنے والے مظاہر انہوں نے کبھی نہ دیکھے تھے، اب اگر روم کے کسی شہر، بازنطینی حکومت کے کسی شہر، یا ایرانی، ساسانی مملکت کے کسی شہر میں داخل ہوکر ان کے منہ میں پانی بھر آتا، اس تمدن پر فریفتہ ہوجاتے اور کہنے لگتے، کیا کہنے اس تمدن کے، اس کاری گری، اس عیش وتنعم کے، انسانی عقل کہاں تک پہنچ گئی اور کیسی تہذیب کو جنم دیا ہے۔

اگر وہ یہ کہتے تو میں انہیں معذور سمجھتا، کیوں کہ وہ صحرائے عرب کا ایک بدو ہی تھا، جس کی آنکھیں ایک ترقی یافتہ ملک کے دارالسلطنت میں آکر خیرہ ہوئی جارہی تھیں اور وہ اس تمدن کے سامنے ہوش باختہ ہوگیا، لیکن تاریخ کا مطالعہ کرنے والا حیران رہ جاتا ہے اور اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہتی اور اس عجیب تجربہ کے سامنے جو انسانی تاریخ میں اپنی نوعیت کا انوکھا تجربہ تھا، اعتراف سے اس کی گردن جھک جاتی ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ عربی مسلمان اس تمدن سے بالکل متاثر نہیں ہوئے اور وہ اپنی اسلامی شخصیت کے محافظ وپاسبان رہے۔

آج عالم عربی کے کسی ملک کے دارالسلطنت مثلاً امارات میں ابوظبی یا قطر میں دوحہ کو ہی لے لیجیے، وہاں ہم ضروری سمجھنے لگے ہیں کہ ہمارے گھروں کا طرز تعمیر اور فرنیچر بالکل ویسے ہی ہو جیسا انگلینڈ یا امریکہ میں ہوتا ہے، ہماری تہذیب اور ان کی تہذیب میں مکمل اتفاق اور ہم آہنگی ہو، لیکن سوچنے کہ وہ عربی اور بدوی مسلمان کس طرح اپنی اسلامی شخصیت کو مضبوطی سے تھامے رہے، ایرانی اور رومی تہذیب کے آگے انہوں نے سرخم نہ کیا، یہ تاریخ کا ایک معمہ ہے، جس کو حل ہونا چاہیے، یہ ایک سوال ہے جو جواب طلب ہے اور اطمینان بخش جواب چاہتا ہے۔

میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ مسلمان مرد وعورت کی خود اعتمادی کا نتیجہ تھا، ان کو اپنے اور خدا کے آخری پیغام کی صلاحیت اور انسان کیلئے کامل ومکمل اور راہ نما دین پر مکمل بھروسہ تھا اور اسلامی شخصیت، اسلامی زندگی، جس کا نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں انہوں نے دیکھا تھا اور ان تک وہ انہیں کے واسطے سے پہنچی تھی، شرم وحیا، عفت وطہارت، حجاب وآداب معاشرت، تواضع، طہارت پاکیزگی، اسلامی ذوق سادگی، اسراف سے پرہیز، قناعت، آپس کا احترام واکرام، عدل وانصاف، حقوق زوجیت کا پاس ولحاظ، رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام، یہ وہ صفات وامتیازات ہیں جو مردوں کے ساتھ عورتوں کے مکمل تعاون کا نتیجہ ہیں، اس طرح وہ اسلامی تمدن، اسلامی تہذیب اور اسلامی شخصیت کی حفاظت کرسکے، مرد کارگہ حیات، مدرسوں میں، محکموں میں، عدالتوں میں اور گھر سے باہر کی دنیا میں اور خواتین گھروں میں، اس طرح وہ معاشرہ کامل ومکمل، ہم آہنگ ویک رنگ اور تعاون کے اصول پر کاربند تھا، مسلمانوں کیلئے کوئی مشکل نہیں تھا کہ وہ دنیا کے بڑے بڑے اور زیادہ سے زیادہ ترقی یافتہ شہر میں اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کرسکیں، ان کے قدم انطاکیہ پہنچے، انہوں نے دمشق، حلب وحمص پر حکومت کی، قسطنطنیہ میں داخل ہوئے، سندھ کو فتح کیا، ملتان، بخارا اور سمرقند ان کے قدموں کی خاک بنے، یہ تمام شہر اپنا ایک تمدن رکھتے تھے، جو بہت پرانا اور ترقی یافتہ تھا، ذوق لطافت سے آراستہ تھا، لیکن مسلمان جہاں جاتے تھے، اپنی تہذیب اور اپنا تمدن لے کر جاتے تھے، وہ نہ صرف اپنے تمدن کی حفاظت کرتے تھے، بلکہ تہذیب کے چراغ کو گل ہونا ہی پڑتا تھا اور تاب ناک اسلامی تہذیب کا آفتاب روشن جاتا تھا۔

مسلمان اندلس گئے، اندلس یورپ کا ایک قلعہ ہے، مسلمانوں نے وہاں ایک حسین تمدن کی بنیاد ڈالی اور ایک نیا طرز تعمیر ایجاد کیا، جو آج بھی اندلس کیلئے باعث زینت ہے، آج بھی وہ مسجد قرطبہ، قصر حمراء اور اشبیلیہ کی مسجدوں سے بہتر کوئی چیز سیاحوں کی زیارت کیلئے پیش نہیں کرسکتے، حکومت ہندوستان اپنے ملک میں کثرت سے آثار قدیمہ کے باوجود تاج محل سے زیادہ حسین وخوش نما، جامع مسجد اور لال قلعہ سے بڑھ کر پرعظمت، پرشکوہ آثار نہیں پیش کرسکتی، مسلمان اپنی تہذیب وتمدن کو ساتھ لے کر گئے، انہوں نے اس کی آب یاری کی، اس کو اور وسعت دی اور حسین سے حسین تر بنایا، انہوں نے وہاں استفادہ بھی کیا، انہوں نے وہاں کے فن تعمیر، وہاں کے سلیقہ مندی اور طبیعت کے گداز، وہاں کے حسن وجمال کو نظر انداز نہیں کیا، بلکہ اس پر اسلامی تہذیب کا اضافہ کیا۔

☆☆☆☆☆

یادوں کے چراغ

وکیل احمد وکیلؔ انصاری جون پوری مرحوم

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

افسوس کہ محب مکرم جناب وکیل احمد وکیلؔ انصاری جون پوری بھی داغ مفارقت دے گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

۱۱رذی الحجہ ۱۴۳۳ھ کو مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کی اہلیہ محترمہ کے جنازہ میں شرکت کے لیے اعظم گڑھ جانا ہوا تو انصاری صاحب سے بھی ملاقات ہوئی تھی اور توقع تھی کہ راستہ میں معمول کے مطابق ان کے یہاں جون پور بھی رکنا ہو جہاں وہ شاہی قلعہ کے مرکزی دروازے کے جوار میں ''دارالشفاء'' نام کے مکان میں رہتے تھے، لیکن یہ اس بار اس لیے ممکن نہ ہوسکا کہ ان سے ملاقات جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں ہی ہوگئی تھی جہاں وہ بھی نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے، اور پھر رات کا قیام بھی کیا، اور صبح کچھ وقت گذار کر وہ جون پور گئے، اس ملاقات کو ایک ہفتہ ہی گذرا تھا کہ ایک روز یہ رنجیدہ خبر ملی کہ وکیل احمد انصاری وفات پاگئے، ان کا سانحہ وفات رات کو ۱۲ بجے کے بعد دوشنبہ کے دن ۲۰رذی الحجہ ۱۴۳۳ھ/ ۵رنومبر ۲۰۱۲ء کو اپنے مکان ''دارالشفاء'' میں پیش آیا، بعد میں معلوم ہوا کہ ان کو اس کے آثار محسوس ہونے لگے تھے، اور گھر والوں نے اس کو اس طرح محسوس کیا کہ اس دن انہوں نے غسل کا خصوصیت سے اہتمام کیا، اچھے کپڑے پہنے، خوشبو لگائی، اور دوسروں کو بھی لگانے کو کہا، آب زمزم کا زیادہ استعمال کیا، اور رات میں بھی اٹھ کر زمزم پیا، اپنے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر اختر سعید سے جو شاعر اور سماجی ورفاہی کاموں میں بھی سرگرم ہیں، شعر سنانے کو کہا، انہوں نے ان کے حسب حال کچھ اشعار سنائے، پھر خود ہی ایک شاعر کا سبق آموز شعر انصاری مرحوم نے سنایا کہ ؎

قسم خدا کی سمجھ لو، اسے خدا نہ ملا
جسے نصیب محبت کی زندگی نہ ہوئی

ان کی طبیعت ٹھیک تھی، رات کو بھی صبح مسجد جا کر نماز ادا کرنے کی بات کہی اور تقریباً ۱۲ بجے رات کو جان جان آفریں کے سپرد کردی، اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے، اور اپنے مقربین میں جگہ دے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ اچھے حالات جو پیدا فرمائے، یہ اس کا نتیجہ تھے کہ انہوں نے دین کی خدمت کے لیے دنیوی منصب کی قربانی دی تھی، وہ ایک اچھے مشہور وکیل تھے، حضرت مولانا عبدالحلیم جون پوریؒ سے ان کا تعلق ہوا اور ان کے توسط سے وہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتحپوری سے وابستہ ہوئے، اور بیعت بھی ہوگئے، اور ان کی خدمت میں آمد ورفت جاری رکھی، یہاں تک کہ حضرت شاہ وصی اللہؒ کو ان سے انس اور تعلق پیدا ہوگیا، ان کی صحبت وتعلق کے اثر سے وکالت چھوڑ دی اور ہومیو پیتھ پریکٹس کرنے لگے، اللہ نے ان کے ہاتھ میں شفا بھی دی اور مطب چل پڑا۔

انصاری صاحب کو کئی بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی، پہلا حج جو ان کا فرض تھا، ۱۹۶۳ء میں اس وقت کیا جب وہ وکالت کے پیشہ سے متعلق تھے، لیکن ان کے ضمیر نے گوارہ نہ کیا کہ اس آمدنی سے وہ اپنا فریضہ حج ادا کریں، اس کے لیے انہوں نے ''تاریخ شیراز ہند'' (جونپور) مصنفہ سید اقبال احمد جون پوری کا ہندی میں ترجمہ کیا، اس پر جو ان کو معاوضہ ملا، اس سے حج کی سعادت حاصل کی، اور چار مہینے قبل حجاز مقدس پہونچ جانے کے باعث مدینہ طیبہ میں جوار رسول میں اعتکاف کی بھی سعادت حاصل کی۔

انصاری صاحب مرحوم پیشے سے وکیل تھے، نام بھی وکیل تھا، اور تخلص بھی وکیلؔ تھا، نام اور تخلص تو وکیل رہا، لیکن بعد میں وکالت سے کوئی سروکار نہ رکھا، اور دینی کاموں کو تقویت پہونچانے میں سرگرم عمل ہوگئے، میرا ان سے تعلق محب گرامی ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم کے توسط سے ہوا، ڈاکٹر صاحب مرحوم کے ذریعہ ان کا تعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے قائم ہوا، اور پھر ان کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی، حضرت مولاناؒ کا اپنے مشائخ کے متوسلین کو بیعت کرنے کا معمول نہیں تھا لیکن کوئی زیادہ اصرار کرتا تو کرلیا کرتے تھے، انصاری صاحب مرحوم کا اس کے بعد سے تعلق بڑھتا گیا، اور ان کاموں میں جو حضرت مولاناؒ کے دعوتی وتعلیمی تھے، تقویت پہونچانے میں دلچسپی لینے لگے، بعد میں ان کی ان صلاحیتوں سے اور لوگوں نے بھی فائدہ اٹھایا،

چونکہ وہ اچھے قانون داں تھے، اس لیے اس سلسلہ میں ان سے دوسروں کو سہولت حاصل ہو جاتی تھی، خاص طور پر مولانا مجیب اللہ ندوی مرحوم نے اپنے ادارے "جامعہ الرشاد" میں ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا، اور ان کی قدردانی کرتے ہوئے کچھ ذمہ داریاں بھی سپرد کردی تھیں۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے تعلق ان کے ملی کاموں میں قریبی تعاون ومشارکت کی صورت میں ظاہر ہوتا رہا، اور اس تعلق کی بنا پر حضرت مولانا کے اعزاز سے مولانا کی زیر سرکردگی انجمنوں پیام انسانیت، اور دینی تعلیمی کونسل، مسلم پرسنل لا بورڈ میں اپنی صلاحیتوں کے مطابق معاون بنتے چلے گئے، مسلم پرسنل لا بورڈ کے شاہ بانو کیس میں مطلقہ کے نان ونفقہ کے مسئلہ میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف حکومت کے احتجاج درج کرنے کے لیے دستخط لینے کی مہم میں حصہ لیتے ہوئے صرف جون پور سے ایک لاکھ لوگوں کی دستخط کرائی۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دار المصنفین اعظم گڑھ سے بھی خصوصی دلچسپی رکھتے تھے، اور اگر کسی تعاون کی وہ ضرورت محسوس کرتے، تو اس کے لیے اپنے کو پیش کرتے، پیام انسانیت کے مشن کو فروغ دینے میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور مؤثر انداز سے یہ کام اونچی سطح پر کئی موقعوں پر کیا، اور ملک کی انتظامیہ اور ممبران پارلیمنٹ کو اس کا لٹریچر پہونچانے کا کام کیا، کچھ عرصہ انسانیت کی بہی خواہی اور ملک کی فلاح وبہبود کے خاطر سیاست میں بھی حصہ لیا لیکن پھر اس سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔

جناب وکیل احمد انصاری مرحوم ظفر آباد ضلع جون پور میں ۱۰ر جولائی ۱۹۲۳ء کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم میڈل اسکول تک ظفر آباد میں اپنے گاؤں میں حاصل کی، اور انٹرمیڈیٹ محمد حسن انٹر کالج جون پور سے کیا، پھر گریجویشن ٹی ڈی (T.D.) کالج جونپور سے کیا، پھر ایل ایل بی (L.L.B.) الٰہ آباد یونیورسٹی سے کیا، اور قانون کی ڈگری حاصل کی، گھر کے حالات اعلیٰ تعلیم کے لیے سازگار نہ تھے لیکن محنت وقربانی سے انہوں نے اپنا علمی سفر جاری رکھا، چنانچہ وہ ٹیوشن کرتے، اور اس کی آمدنی سے وہ تعلیم جاری رکھتے، ٹیوشن سے ان کو ایک فائدہ یہ پہونچا کہ بعض صلاحیت مند لوگ ان کے شاگرد بن گئے، اور اعلیٰ لیاقت کے حامل ہوکر وہ اونچے منصب پر بھی فائز ہوئے ان میں عشرت عزیز صاحب خاص طور سے قابل ذکر ہیں جو بعد میں سعودی عرب میں ہندوستان کے سفیر ہوگئے تھے۔

انصاری صاحب مرحوم کو سعودی عرب میں روزگار کے مواقع بھی فراہم ہوئے اور اس سے انہوں نے فائدہ بھی اٹھایا، لیکن دینی وملی جذبہ نے ان کو وہاں زیادہ رہنے نہ دیا، اور وطن جون پور آکر تعلیم کے فروغ میں پوری طرح لگ گئے، انصاری صاحب مرحوم نے جون پور میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ایک مکتب قائم کیا جو ان کی کوشش اور فکر مندی سے ترقی کرکے "ساجدہ انٹر کالج" کی شکل اختیار کرگیا، جس میں ڈھائی تین ہزار طالبات زیر تعلیم ہیں، اور مزید لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے "مسلم گرلس ڈگری کالج" کی بنیاد ڈالی، اور اس کے آخر وقت تک منیجر رہے۔

خدمت خلق کے دوسرے کاموں میں "انڈیا الخیر فاؤنڈیشن" کا قیام بھی ہے، جو انہوں نے رفاہی کام کے لیے قائم کیا، جس کے تحت الخیر ایمبولینس سروس، الخیر موبائیل کلینک ہے، اس کا سرپرست انہوں نے اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو بنایا تھا، اور انہیں ان کی دعائیں حاصل تھیں، پیام انسانیت اور خدمت خلق کے اس کام کا اثر برادران وطن پر بہت اچھا پڑا، ایک موقع پر الخیر موبائیل کلینک کے افتتاح کے لیے مجھے بھی انہوں نے دعوت دی اور اس موقع پر ایک اچھے اور کامیاب پروگرام کا انعقاد بھی کیا۔

انصاری صاحب مرحوم نے لکھنے لکھانے کا مشغلہ بھی رکھا، اور بعض مفید کتابوں کے ترجمے بھی کیے، "جغرافیہ جون پور" کے نام سے ایک کتاب لکھی جو جون پور کے مقامی اسکولوں میں ابتدائی درجات میں پڑھائی جاتی ہے۔

شعر وسخن سے بھی ان کو اچھی دلچسپی تھی، اور خود بھی شعر کہتے تھے اور وکیل تخلص رکھتے تھے، ان کی ایک رباعی ہے جس میں دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا قلبی وجذباتی تعلق ظاہر ہوتا ہے، اور حضرت عمرؓ کی دعا: "اللّٰھم اجعل موتی فی بلد رسولک" کا بھی اظہار ہے، یہ شعر انہوں نے اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو سنایا تو انہیں بھی بہت پسند آیا اور جب مدینہ کے ایک سفر میں مدینہ طیبہ سے جدہ واپس ہوتے ہوئے ساتھ ہوا جو حج کا بھی سفر تھا تو حضرت مولاناؒ نے ان کو ان کے یہ اشعار یاد دلائے، وہ ملاحظہ ہوں ؎

ہم مدینہ کو گئے اور چلے آئے ہیں
داغ فرقت جو تھے مدھم وہ ابھر آئے ہیں
مر کے نہ چھوٹے دامان مدینہ ہم سے
ہم تو ذروں سے بھی طیبہ کے یہ کہہ آئے ہیں

انصاری صاحب کا جو تعلق حضرت مولاناؒ سے قائم ہوا تھا، وہ ہمیشہ باقی رہا اور ان کی زندگی میں ہی انہوں نے ان کی قائم کردہ تربیتی نظام میں تکیہ رائے بریلی کی مسجد شاہ علم اللہ میں آخری عشرہ اعتکاف کا معمول بنالیا تھا جو انہوں آخر حیات تک قائم رکھا، گذشتہ رمضان میں بھی انہوں نے اعتکاف کی نیت سے آخری عشرہ کا قیام کیا۔

مرحوم کا مزاج دینی تھا، انہوں نے اپنی اولاد کا مزاج بھی دینی بنایا اور لڑکیوں کے رشتوں میں بھی اس کا خیال رکھا، ایک بیٹے جو مولوی انور حفیظ ہیں، حافظ وعالم بنایا، حضرت مولانا شاہ ابرارالحقؒ کی سرپرستی میں حفظ کرایا اور پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل کراکر عالم بنایا، وہ اچھی لیاقت کے حامل ہیں اور مصنف بھی ہیں اور دو بیٹے ڈاکٹر ہیں جن میں بڑے بیٹے ڈاکٹر اختر سعید ہیں، وہ بھی لائق وفاضل صاحبزادہ ہیں، اردو اور تاریخ میں پی ایچ ڈی ہونے کے ساتھ معالج بھی ہیں اور تعلیمی، رفاہی اور سماجی کاموں میں حصہ لیتے ہیں، تیسرے بیٹے ڈاکٹر عبدالرحمٰن مجاہد جو سب سے چھوٹے ہیں، ایم ڈی (M.D.) ہیں، اور چار صاحبزادیاں ہیں اور وہ سب ہی تعلیم یافتہ ہیں، اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر واستقامت عطا فرمائے اور مرحوم کی مغفرت کرے اور درجات بلند فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انفاق فی سبیل اللہ

حضرت فاطمہؓ کو انفاق فی سبیل اللہ میں طبعی رغبت تھی، آپ سائل اور فقیر کا خیال رکھتی تھیں، اور جو کچھ میسر ہوتا انہیں دے دیا کرتی تھیں، آپ اور بچے بھوکے رہ جاتے مگر کسی فقیر کو خالی ہاتھ لوٹانا آپ کو گوارا نہ تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے کھانا تیار کیا اور کھانے کا وقت آیا تو ایک مسکین دروازے پر آ گیا اور کہا کہ میں بھوکا ہوں، آپ نے وہ سارا کھانا اس سائل کو دے دیا۔ ایک مرتبہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بہت بیمار ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے ہمراہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، بعض صحابہؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ اپنے بچوں کی صحت یابی کے لیے کوئی نذر مان لیں تو حضرت علیؓ نے اس بات کی نذر مانی کہ دونوں بچوں صحت یاب ہوگئے تو وہ تین دن روزہ رکھیں گے، اللہ تعالیٰ نے دونوں بچوں کو صحت وعافیت دے دی، حضرت علیؓ نے اپنی نذر پوری کرنے کے لیے روزہ رکھا مگر گھر میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ تھی، آپ تین دن کے لیے کسی سے تین صاع گیہوں قرض لے کر آئے تاکہ روزانہ ایک صاع پیس کر اس کی روٹی پکائیں اور گھر والے افطار کرلیں، چنانچہ حضرت فاطمہؓ نے ایک صاع کی روٹی پکائی، ابھی کھانے کے لئے بیٹھے ہی تھے کہ دروازہ پر ایک مسکین آگیا اور اس نے آواز لگائی:

"اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والو! میں ایک مسکین آدمی ہوں، بھوک لگی ہے، مجھے کھانے کے لیے کچھ دے دو، اللہ تمہیں جنت کے دسترخوان پر کھانا کھلائے"۔ حضرت فاطمہؓ نے اور جو کچھ پکایا تھا سب کا سب اس مسکین کو دے دیا اور پانی پر گزارا کرکے سوگئے اور دوسرے دن روزہ رکھ لیا، حضرت فاطمہؓ نے دوسرے دن شام پھر ایک صاع کی روٹی پکائی اور جب شام کو کھانے بیٹھے تو دروازہ پر پھر ایک سائل آیا اور اس نے آواز دی:

"میں مہاجرین کی اولاد ہوں اور یتیم ہوں، مجھے کھانا کھلایئے، اللہ آپ کو جنت میں کھلائے گا"۔ حضرت فاطمہؓ نے جو روٹیاں پکائی تھیں، وہ سب لاکر اس یتیم کے ہاتھ میں رکھ دیں اور گھر والے بھوکے سوگئے اور دوسرے دن کا روزہ رکھ لیا، تیسرے دن پھر حضرت فاطمہؓ نے ایک صاع کی روٹی پکائی اور جب کھانے کا وقت آیا تو پھر کسی نے دروازے پر پکارا، یہ ایک قیدی تھا جسے کھانے کی ضرورت تھی، حضرت فاطمہؓ نے روٹیاں اسے دے دیں اور پھر ایک بار فاقہ کرلیا۔

☆☆☆☆☆

نور ہدایت

قرآن مجید انسانی زندگی کا رہبر کامل

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

قرآن مجید آخری آسمانی صحیفہ ہے جو اللہ تعالی نے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ وسلم پر نازل فرمایا اور یہ قیامت تک بغیر کسی تغیر وتبدیلی کے باقی رہے گا، یہ نصیحت وموعظت کی کتاب ہے، جو بھی اسکو اپنا رہنما بنائے گا وہ رب العالمین کی خوشنودی کا سزاوار ہوگا اور دنیا وآخرت میں سرخرو رہے گا۔

اس کتاب ہدایت کا مطالعہ ہر دور میں ایک مستقل موضوع رہا ہے اور علمی، ادبی اور دینی حیثیت سے اہل علم کو اس موضوع سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے اور انہوں نے قرآن کریم میں انسانیت کی فلاح وبہبود، انفرادی اور اجتماعی زندگی کی رہنمائی کے لیے جو اصول بیان کیے گئے ہیں، ان کو معاصر علمی انداز میں پیش کیا ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک زریں کڑی مخدوم ومربی ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی تازہ ترین تصنیف "قرآن مجید انسانی زندگی کا رہبر کامل" ہے، ذیل کا مضمون اسی شاہکار تصنیف پر لکھا گیا مقدمہ ہے، جو بذات خود قرآنی اعجاز، اس کی تاریخ اور اس سلسلہ میں علماء اسلام کی بیش بہا خدمات وتصانیف پر مستقل مضمون کی حیثیت رکھتا ہے۔

ان شاءاللہ یہ کتاب قرآنیات کے ذخیرہ میں اہم اضافہ ہوگی اور عوام وخواص دونوں کے لیے مفید ہوگی۔

قرآن کریم صحف سماویہ میں اپنی خصوصیات کے اعتبار سے منفرد کتاب الٰہی ہے، اس کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا تحریف سے محفوظ رہنا ہے، وہ صوتی، لفظی اور ترتیب کے اعتبار سے محفوظ ہے، خود قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے جو اس خاص امتیاز کی طرف اشارہ کرتا ہے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾ [سورہ حجر ع:۱] (بیشک ہم نے قرآن نازل کیا، اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب قیامت تک اپنی خصوصیات کے ساتھ محفوظ اور قابل استفادہ رہے گی۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی" میں تحریر فرمایا ہے:

قرآن "فرقان" (فاروق اور ممیز) ہے اور یہ اس کی ایسی امتیازی صفت ہے جو اس کے نام کے قائم مقام ہوگئی ہے ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝﴾ [سورہ فرقان: ع:۱] (بڑی عالیشان ذات والا ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام دنیا پر جہاں والوں کے لئے ڈرانے والا ہو) قرآن مجید نے ہدایت وگمراہی میں، ایمان وکفر میں، اسلام اور جاہلیت میں، خدا کی رضا وعدم رضا میں، یقین وظن میں، حلال وحرام میں، قیامت تک کے لئے جو فصل اور امتیاز پیدا کردیا ہے اس کی نظیر سے مذہبی تعلیمات اور آسمانی صحیفوں کی تاریخ خالی ہے"۔

قرآن کریم اپنی زبان وبیان اور مضامین کے اعتبار سے ہر زمانہ میں بحث وتحقیق کا موضوع رہا ہے، اس لئے کہ وہ عربی میں نازل ہونے کے باوجود ہر دور اور ہر قوم کو یکساں طور پر مخاطب کرتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝﴾ [سورہ انبیاء: ع:۱] (ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے کیا تم نہیں سمجھتے)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰي عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝﴾ [سورہ اعراف: ع:۶] (اور ہم نے ان کے پاس کتاب پہونچادی ہے، جس کو علم ودانش کے ساتھ کھول کر بیان کردیا ہے، اور مومن لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے) ایک دوسری خصوصیت کی طرف اشارہ اس طرح کیا گیا ہے ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ [سورہ یوسف: ع:۱] (یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں، ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا، تاکہ تم سمجھ سکو)۔

عربوں کو چونکہ فصاحت وبلاغت کا دعویٰ تھا اور یہ ان کا امتیاز تھا، وہ دوسری قوموں کو عجمی سمجھتے تھے اور وہ قرآن کریم کے مخاطب اول تھے، اس لیے قرآن کریم نے ان کو اس بنیاد پر چیلنج کیا کہ وہ اس سے بہتر نمونہ لاکر دکھائیں، وہ اس میں ناکام رہے، بلکہ ان کے اہل علم وذوق نے اس کے معجز ہونے کا اقرار کیا، ولید بن مغیرہ نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے آپ کو قرآن کریم کی بعض آیتیں تلاوت کرتے ہوئے سنیں تو اتنا متاثر ہوئے کہ وہ بھاگے ہوئے قریش کے بعض سرداروں کے پاس آئے اور کہا کہ: "واللہ لقد سمعت من محمد كلاماً ما هو من كلام الإنس، ولا من كلام الجن، وإن له لحلاوة، وإن عليه لطلاوة، وإن أعلاه لمثمر، وإن أسفله لمغدق" (خدا کی قسم میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسا کلام پڑھتے سنا ہے کہ جو نہ تو انسانوں کا کلام ہوسکتا ہے اور نہ جنات کا، اس میں تو بڑی مٹھاس اور بڑا بانکپن اور دلکشی ہے، اس کا اوپری حصہ (یعنی ظاہری الفاظ) بڑا پھلدار (بڑا سامعہ نواز اور حسین) اور اس کا نچلا حصہ بہت زیادہ پانی والا ہے (یعنی معانی اور مطالب کے لحاظ سے بہت دقیق اور گہرا ہے)۔

اس اعتبار سے قرآن کریم کا بنیادی اعجاز اعجاز بیانی قرار پایا۔

قرآن کریم اعجاز بیانی کے ساتھ رشد وہدایت، علم وفکر، اخبار بالغیب، امم سابقہ کے تذکرے، غلط تصورات اور معتقدات کی تصحیح، خلق انسان اور کائنات کے اسرار اور خدا کی مخلوقات کی خصوصیات، طبیعت انسانی کے رجحانات اور صلاحیتوں، اعمال انسانی کے نتائج اور اثرات اور اس طرح انسان کی زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں رہنمائی کرنے والی کتاب ہے۔

ان مختلف اور متعدد خصوصیات کی وجہ سے قرآن کریم پر ہر دور میں اہل علم نے اپنے اپنے زاویوں سے کام کیا، ابتدائی دور بیان کا تھا، اس لئے کہ عربوں کا یہ امتیاز تھا، اس لئے قرآن کریم کے اعجاز بیانی پر زیادہ کام ہوا، اور اس موضوع پر ایک کتب خانہ تیار ہوگیا، اور اس کا سلسلہ اس عہد تک جاری ہے، اس سلسلہ میں ابن قتیبہ کی کتاب "تأويل مشكل القرآن"، ابوالحسن اشعری کی کتاب "مقالات الإسلاميين"، ابوالحسن خیاط کی کتاب "الانتصار"، ابوعبیدہ کی کتاب "مجاز القرآن"، فراء کی کتاب "معاني القرآن"، جاحظ کی کتاب "نظم القرآن"، ابوبکر عبداللہ بجستانی (متوفی ۳۱۶ھ) کی کتاب "نظم القرآن"، ابوعبداللہ محمد بن زید واسطی معتزلی (متوفی ۳۰۶ھ) کی کتاب "اعجاز القرآن"، ابوبکر باقلانی (متوفی ۴۰۳ھ) کی کتاب "اعجاز القرآن"، ابن عربی کی "اعجاز القرآن"، ابوالحسن علی بن عیسیٰ رمانی (۳۸۴ھ) کی کتاب "النكت في اعجاز القرآن"، ابوسلیمان حمد بن محمد خطابی کی کتاب "بيان اعجاز القرآن"، قاضی ابوالحسن عبدالجبار معتزلی کی کتاب "اعجاز القرآن"، عبدالقاہر جرجانی کی کتاب "دلائل الإعجاز" اور "أسرار البلاغة"، فخرالدین رازی کی کتاب "نهاية الإيجاز في دراية الإعجاز" ابن ابی اصبع مصری کی کتاب "بديع القرآن"، یحیی بن حمزہ علوی کی کتاب "الطراز في أسرار البلاغة وعلوم حقائق الإعجاز"، برہان الدین بن عمر بقاعی (متوفی ۸۸۵ھ) کی کتاب "نظم الدرر"، جلال الدین سیوطی کی کتاب "الاتقان في علوم القرآن"، اور کتب تفاسیر میں جاراللہ زمخشری کی کتاب "کشاف" بیش قیمت سرمایہ ہے۔

زبان وادب کے ماہرین ابن قتیبہ، جمحی، ابوعبید اللہ مبرد نے کتاب اللہ کی زبان وبیان پر کتابیں لکھیں، غریب القرآن، مشکلات القرآن، مجاز القرآن، نظام القرآن پر مستقل کتابیں لکھی گئیں، احکام القرآن پر بھی متعدد کتابیں تصنیف کی گئیں، اس دور میں مولانا حمید الدین فراہی نے علوم قرآن اور بیان قرآن کے موضوع پر اہم اضافہ کیا، امم خالیہ کے قصوں پر قصص القرآن کے نام سے متعدد کتابیں لکھی گئیں۔

اس دور میں بھی اعجاز بیانی پر کام جاری ہے، مصطفی صادق الرافعی کی کتاب "اعجاز القرآن"، شیخ محمد عبداللہ دراز کی کتاب "النبأ العظيم"، سید قطب شہید کی کتاب "التصوير الفني في القرآن" اور "مشاهد القيامة في القرآن"، محمد الحسناوی کی کتاب "الفاصلة في القرآن" اور ڈاکٹر عائشہ عبد الرحمن بنت الشاطی کی کتاب "الإعجاز البياني للقرآن" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس دور میں قرآن کریم کے اعجاز علمی پر متعدد اہل علم کے قلم سے کتابیں شائع ہوئیں، اور مقبول ہورہی ہیں، کسی نے قرآن مجید کے تشریعی اعجاز پر قلم اٹھایا، کسی نے کائنات کے بارے میں قرآن کریم کے معجزانہ اسلوب پر بحث کی ہے، جیسے علامہ رشید رضا کی کتاب "الوحي المحمدي"، شیخ محمد ابوزہرہ کی کتاب "شرعية القرآن دليل على أنه من الله سبحانه وتعالى" اور مالک بن نبی کی کتاب "الظاهرة الكونية في القرآن" ہے، اور یہ کتابیں ہدایت کا سبب بن رہی ہیں۔

بعض مصنفین نے قرآن کریم کی دونوں خصوصیات پر توجہ کی ہے، اور انہوں نے قرآن کریم کے اسلوب بیان کی خصوصیات یہاں تک کہ صوتی آہنگ پر بھی روشنی ڈالی ہے، سید قطب شہید نے اس پہلو پر اپنی کتاب "التصوير الفني في القرآن" میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اس پہلو پر کم لوگوں نے توجہ کی ہے، کہ الفاظ اور معانی اور نظم کے علاوہ قرآن کریم کی آیات میں خاص طور سے بعض سورتوں میں صوتی اعجاز بھی پایا جاتا ہے، صرف اس کو سن کر لوگ اس کے کلام الٰہی ہونے کے قائل ہوئے ہیں اور اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔

تفسیر پر جو کتابیں لکھی گئیں، وہ صاحب تفسیر کے رجحان کے اعتبار سے ہیں اور ہر کتاب چاہے وہ متقدمین کی ہو، یا متاخرین کی، زمانہ اور صاحب کتاب کی اپنی فہم، اور ذوق کے اعتبار سے ہے، اور ہر تفسیر اپنی ایک خصوصیت رکھتی ہے۔

اس اعتبار سے قرآن کریم کا مطالعہ ایک مستقل موضوع ہر دور میں رہا ہے، اور علمی، ادبی اور دینی حیثیت سے اہل علم کو اس موضوع سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے، اس طرح عربی کے علاوہ مسلمانوں کی دوسری زبانوں میں بھی قرآن کریم کے مختلف موضوعات اور خصوصیات کے اعتبار سے کتابیں تصنیف کی گئیں، فارسی اور اردو زبانوں کا عربی زبان کے بعد تیسرا حصہ رہا ہے۔

قرآن کریم کے کسی موضوع یا اس کے کسی علمی اور فنی پہلو پر روشنی ڈالنا یہ سعادت کی بات رہی ہے اور دعوت وارشاد کا ایک موثر طریقہ بھی ہے، اس لیے صرف قرآن کریم سے متاثر ہو کر عہد قدیم میں بکثرت لوگ مشرف باسلام ہوئے، اور اس دور میں بھی اس کی مثالیں سامنے آرہی ہیں۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''مطالعۂ قرآن کے اصول ومبادی'' میں لکھتے ہیں:

''قرآن مجید صرف اپنے الفاظ وترکیب اور فصاحت وبلاغت ہی کے اعتبار سے معجزہ نہیں ہے بلکہ وہ اپنے الفاظ اور ترکیب میں بھی معجزہ ہے، اپنے معانی ومضامین میں بھی، اپنے اعلیٰ علوم ومعارف میں بھی، معلومات غیبی اور حقائق ابدی میں بھی، اپنی پیش کی ہوئی مذہبی واخلاقی ومعاشرتی اور مدنی تعلیمات میں بھی، اپنے اثرات وانقلابات میں بھی، اپنی پیشین گوئیوں اور اخبار میں بھی معجزہ ہے، مگر جب صرف الفاظ میں جو اس کے اعجاز کامل کا صرف ایک پہلو اور گوشہ ہے کوئی مقابلہ نہیں ہو سکا تو اس کے اعجاز کامل میں کیا مماثلت ہو سکتی ہے؟''۔

حضرت مولاناؒ نے یہ بھی لکھا ہے:

''قرآن مجید میں جدید علمی (سائنٹفک) حقائق کو تلاش کرنے اور ایک طرف اس کے بعض اشارات اور اجمالی بیانات، اور دوسری طرف جدید تحقیقات واکتشافات میں تطبیق (جس کی سب سے بڑے پیمانہ پر کوشش اس صدی میں علامہ طنطاوی جوہری مصری نے اپنی مشہور تفسیر "جواهر القرآن" میں کی ہے) بڑا نازک اور کسی حد تک پرخطر کام ہے، اس لئے کہ اس کا قوی امکان ہے (اور علم وتحقیق کی تاریخ میں اس کا کئی بار تجربہ ہو چکا ہے) کہ علم وتحقیق کے یہ نتائج جو اس وقت بالکل بدیہی اور ثابت شدہ حقائق سمجھے جارہے ہیں، بالکل بدل جائیں، یا ان کا ثبوت وقطعیت مجروح ومشکوک ہو جائے، نیز اس علمی کاوش میں (جس کی نیک نیتی اور کسی قدر افادیت میں شک نہیں کیا جا سکتا) قرآن کے اصل موضوع ومقصد سے دوری اور جدید علم وتحقیق سے مرعوبیت کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے''۔

قرآن کریم کے اعجاز بیانی پر قرون اولیٰ میں متعدد کتابیں تصنیف کی گئیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا، بعد کے عہد میں اعجاز علمی کی طرف توجہ ہوئی اور اس موضوع پر متعدد اہل علم کے قلم سے کتابیں تصنیف کی گئیں اور قرآن کریم اور جدید علم وسائنس کے درمیان مطابقت کی کوشش کی گئی، اگرچہ یہ کوشش خطرہ سے خالی نہیں ہے، اس عہد میں متعدد ملکوں میں اعجاز علمی پر سیمنار بھی منعقد کیے گئے اور کیے جارہے ہیں، لیکن چونکہ قرآن کریم کتاب خالد ہے، اس لئے اس کا اعجاز بھی خالد ہے، ڈاکٹر محمود شاکر نے "الظاهرة الكونية في القرآن" (مؤلفہ ڈاکٹر مالک بن نبی) کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ قرآن ہر عہد کے اعتبار سے معجز ہے اور اس دور میں جو چیز عقل وقلب کے لئے مؤثر ہوگی قرآن کریم کا اعجاز اس زاویہ سے ظاہر ہوگا اور یہ تا قیامت باقی رہنے والا معجزہ ہے۔

اس دور میں قرآن کریم کے خلاف بعض حلقوں سے تحریک چل رہی ہے اور یہ دعویٰ کیا جارہا ہے کہ قرآن جنگ اور تشدد سکھانے والی کتاب ہے، اس مقصد سے ان آیات کا انتخاب کر کے اس دعوی کو پیش کیا گیا ہے جن میں ظلم اور اعتداء کی حالت میں اپنے دفاع کے لیے کارروائی کا حکم دیا گیا ہے، یورپ میں ''فتنہ'' نامی فلم بنائی گئی، اس لئے اس وقت ضرورت اس بات کی تھی اور ہے کہ قرآن کریم میں انسانیت کی فلاح وبہبود، انفرادی اور اجتماعی زندگی کی رہنمائی کے لئے جو اصول بیان کیے گئے ہیں، ان کو معاصر علمی انداز میں پیش کیا جائے، یہ قرآن کریم کا اہم ترین موضوع ہے، اور قرآن کریم نے اس کا دعویٰ بھی کیا ہے کہ یہ کتاب "هدى للناس"، "شفاء للصدور" اور "بيان للناس" ہے، ضرورت تھی کہ قرآن کریم کے ان موضوعات پر روشنی ڈالی جائے جو انسانی زندگی اور اخلاق سے متعلق ہیں، قرآن کریم نے دوسرے مذاہب اور ان کے رہنماؤں کے بارے میں احترام اور ان کے ذکر میں احتیاط برتنے، اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جو اصول بیان کیے ہیں ان کو نمایاں کیا جائے، اور شدید زیادتی اور ظلم کی حالت میں بھی صبر اور محتاط کارروائی کا جو حکم دیا ہے، اور عدل وانصاف کا دامن تھامے رکھنے کی جو تلقین کی ہے اس کو واضح کیا جائے ان مضامین سے دوسری مذہبی کتابیں خالی ہیں۔

برادر معظم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے علمی استفادہ کا بڑا موقع ملا ہے، جن کو قرآن کریم کے مضامین اور اسلوب بیان سے بڑی مناسبت تھی، وہ ایک وقت میں شیخ التفسیر بھی تھے اور شیخ الادب بھی، اور انہوں نے علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی براہ راست استفادہ کیا تھا جن کو قرآن کریم کے لفظی اور معنوی اعجاز کا بڑا ادراک تھا۔

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو پیام انسانیت کی تحریک سے وابستگی کے ذریعہ غیر مسلموں سے تبادلۂ خیال کا بھی کافی موقع ملا اور قرآن کریم کے بارے میں غلط فہمیوں کا ان کو اندازہ ہوا۔ انہوں نے ضرورت محسوس کی کہ قرآن کریم کے وہ مضامین جو پروردگار عالم، کائنات، رب کائنات پر ایمان ویقین، تخلیق انسان، تخلیق انسان کا مقصد، اخروی اور دنیوی زندگی، خدائی تعلیمات واحکامات، انسانی زندگی اور باہم روابط اور انسانی اخلاق سے متعلق ہیں اور انسان کی طبیعت اور اس کے رجحانات وخواہشات سے متعلق ہیں ان کو تفصیل سے بیان کیا جائے تا کہ معلوم ہو کہ وہ صرف مسلمانوں کے لیے نہیں، بلکہ ہر انسان کی زندگی کے لیے رہنما اصول پیش کرتا ہے، اور ان اصولوں کو برتنے سے ایک خوشگوار اور پرامن ماحول اور سکون قلب میسر ہوتا ہے۔ مولانا کو درس قرآن کے دوران ان مضامین کی طرف توجہ ہوئی اور ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن کریم کے ان مضامین کو اردو داں طبقہ تک منتقل کریں، اور پھر دوسری زبانوں میں بھی منتقل ہوں تا کہ غیر مسلم بھی ان سے فائدہ اٹھائیں، قرآن کریم کی اس افادیت کے وہ لوگ معترف ہیں جن کو قرآن کریم کے ترجموں سے استفادہ کا موقع ملا، انہوں نے قرآن کریم کے علمی اعجاز کے ساتھ اخلاقی اور تربیتی اعجاز کا اعتراف کیا، اس خیال سے انہوں نے مضامین قرآن پر ایک تفصیلی کتاب تصنیف کی، کتاب کے چند عنوانات سے کتاب کے موضوع کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کا نام اور اس کی صفت رحمت، قرآن مجید کا مقام بلند، علم کی اہمیت، رب کائنات کا ہر کام بامقصد ہے، علم الٰہی کی وسعت، پوری کائنات خدا کے علم کا مظہر ہے، کائنات کا مربوط نظام عمل، کلام الٰہی، انسان قرآن مجید کی روشنی میں، انسان کا اصل امتیاز، انسان کی خصوصیات قرآن کی نظر میں، جنات اور انسان، انسان کی فضیلت وخصوصیت، انسانی علم اور اس کے استعمال کے لائق عقلی صلاحیت، انبیاء کرام کی بعثت، قرآنی ضابطۂ اخلاق، قرآن مجید کی سات بنیادی آیتیں، نزول کی ترتیب میں پہلی سورہ سورہ اقرأ علم کی تلقین کی سورہ، سورہ بقرہ اور دیگر سورتیں، قرآن حکیم کی بنیادی تعلیمات، عقیدۂ توحید، عقیدۂ توحید کے تحت آنے والی دوسری حقیقتیں، ایمان، نماز، زکوٰۃ اور صدقات کی اہمیت، سودی لین دین کے نقصانات، جہاد کا تصور قرآن میں، نبی آخر الزماں کا مقام وکام، حسن سیرت واخلاق کی اہمیت، روحانی امراض اور نفس کے شرور کے زہر کا تریاق، اخلاص، سچی توبہ، صبر وتحمل اور عفو ودرگزر، خدا کا استحضار، تقویٰ اور قول وعمل میں استقامت، یقین وتوکل، استقامت، تہذیب اخلاق وتزکیۂ نفس، حسن سیرت واخلاق حسنہ کے لیے قرآنی ہدایات، قرآن مجید میں قلب کی اہمیت کا تذکرہ، قرآن مجید کا حکایتی اسلوب، ذرائع ابلاغ قرآن مجید کی روشنی میں، رب کی بندگی اور دعا قرآن مجید کی روشنی میں''۔

کچھ عرصہ پہلے مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی ایک تصنیف سیرت پاک پر ''رہبر انسانیت ﷺ'' کے نام سے شائع ہوئی، اور بہت مقبول ہوئی، غیر مسلم حلقوں اور مغربی پروپیگنڈہ سے متاثر لوگوں میں اس کی بہت پذیرائی ہوئی، اور سیرت مبارکہ کے بارے میں غلط فہمیاں دور ہوئیں، اس لیے کہ مغربی مصنفین نے سیرت نبوی اور قرآن کریم کو موضوع بنایا اور غلط فہمیاں پیدا کیں جن کا سلسلہ جاری ہے۔

اب قرآن کریم پر مولانا کی یہ کتاب ''قرآن مجید انسانی زندگی کا رہبر کامل'' اسی سلسلہ کی اہم کڑی ہے، اس کتاب کو بھی رہبر انسانیت قرار دیا جا سکتا ہے، قرآن کریم میں انسانی اخلاق، معاملات یہاں تک کہ اقتصادی زندگی کے بارے میں جو اصول اور تعلیمات بیان کی گئی ہیں، وہ اس عہد میں جس میں مادی ذہن اور استحصال کا عنصر غالب ہے، اور اخلاق ومعاملات میں ذاتی مفادات کو ترجیح دینے کی وجہ سے پوری زندگی کشمکش اور بے اطمینانی کی زندگی بن گئی ہے، اور سکون قلب اور محبت اور ایثار کا عنصر عنقا ہو گیا ہے، زندگی کو فساد سے صلاح کی طرف، اور قلق وبے چینی سے سکون واطمینان کی طرف منتقل ہونے میں ممد ومعاون ہوں گی اور یہ ثابت ہوگا کہ قرآن کریم تشدد وکٹر پن کے بجائے تسامح، عفو ودرگزر اور صلح کی دعوت دیتا ہے۔

﴿وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَكَ ط اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝﴾ [سورہ لقمان: ۱۷]۔

امید ہے کہ یہ کتاب عوام اور خواص دونوں کے لیے مفید ہوگی اور قرآنیات کے ذخیرہ میں اہم اضافہ ہوگی۔

☆☆☆☆☆

تحریک ندوۃ العلماء

دارالافتاء ندوۃ العلماء - مختصر تاریخ اور خصوصیات

مولانا مفتی محمد ظہور ندوی

۹،۸؍دسمبر ۲۰۱۲ء کو جامعہ سید احمد بن عرفان شہید کٹولی، ملیح آباد، لکھنؤ میں "تنظیم ابناء قدیم دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ" کا دوروزہ اجلاس منعقد کیا گیا، جس میں ملک اور بیرون ملک سے ندوی فرزندان سیکڑوں کی تعداد میں شریک ہوئے، اس موقع پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے پانچ بزرگ اساتذہ (حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، مولانا مفتی محمد ظہور ندوی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی) کو "تدریسی خدمات ایوارڈ" پیش کیا گیا۔

اس دوروزہ اجلاس میں کئی نشستیں منعقد ہوئیں، جن میں ابنائے ندوہ نے تحریک ندوۃ العلماء کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں پر اپنے وقیع اور قیمتی مقالات پیش کیے، ذیل کا مضمون بھی اسی اجلاس میں پیش کردہ نائب ناظم ندوۃ العلماء و صدر المعہد العالی للقضاء والافتاء کا "دارالافتاء ندوۃ العلماء" پر جامع مقالہ ہے جو ندوۃ العلماء کی خدمات کا ایک حسین باب اور اس کا فعال ادارہ ہے، اسی کے ساتھ یہ مقالہ فقہ وفتاویٰ کے رہ نوردوں کے لیے بڑی معلومات اور اہم نکات کا حامل ہے، افادۂ عام کی غرض سے "تعمیر حیات" کے صفحات میں شائع کیا جارہا ہے۔ [ادارہ]

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دارالافتاء کی تاریخ، خصوصیات اور اس کی خدمات پر کچھ کہنا مناسب نہیں لگتا، اچھا تو یہ تھا کہ کوئی صاحب قلم اس موضوع پر اظہار خیال کرتے، میں اس کا ایک ذمہ دار رکن ہوں، میرا اس موضوع پر لکھنا اور اس کی تفصیلات میں جانا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے یہ تو ایک طرح کی خودستائی ہے، اپنی تعریف آپ کرنا ہے، ہمارے اسلاف کا کبھی یہ شیوہ نہیں رہا، اور سچی بات تو یہی ہے کہ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید، البتہ ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ عزیزی مولوی سلمان ندوی نے مجھ سے اس موضوع پر کچھ لکھنے کو کہا، ان کی فرمائش پوری کرنے کو ایک اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں، اس لیے یہ چند سطریں سپرد قلم کررہا ہوں۔

میرے خیال سے ندوہ کے دارالافتاء کی تاریخ تقریباً اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود تحریک ندوۃ العلماء کی، ۱۳۱۱ھ میں ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس منعقد ہوا اور اس کے دو سال بعد یعنی ۱۳۱۳ھ میں ندوہ کے زیر اہتمام دارالافتاء کا قیام عمل میں آیا، اس اجلاس میں مولانا محمد علی مونگیریؒ نے دارالافتاء کی تجویز جن الفاظ میں پیش کی تھی اس سے دارالافتاء کی حیثیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، میرے زمانۂ طالب علمی میں دارالافتاء کے مفتی مولانا محمد سعید صاحب ندویؒ تھے، ان سے پہلے میرے ہی ہم وطن مولانا شبلی فقیہ مرحوم جیراجپوریؒ یہاں مفتی تھے، میں نے ان کو دیکھا ہے، اس وقت وہ کافی ضعیف ہوگئے تھے، مولانا شبلی فقیہؒ سے پہلے مولانا عبداللطیف سنبھلی رحمانیؒ مفتی ندوہ تھے جو مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ کے اخیر دور کے تلامذہ میں سے تھے، اور ابتداء میں تو مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ خود ہی اس شعبہ کے سرپرست تھے۔

مفتی سعید صاحب ندوی کے دور تک بلکہ اس کے بعد میرے زمانہ میں بھی دارالافتاء کی طرف وہ رجحان نہیں تھا جو بعد کو ہوا، جس کی وجہ سے اس کا مستقل انتظام نہیں تھا، اور نہ ہی فتاویٰ کی نقلیں رکھنے کا اہتمام تھا، عباسیہ ہال میں اس زمانہ میں لائبریری ہوا کرتی تھی، اسی میں ایک نشست اس دارالافتاء کی لگی ہوئی تھی، اس کے ساتھ ایک الماری بھی تھی، بس یہی کل دارالافتاء تھا، اس پورے دور میں فتاویٰ کی نقلیں رکھنے کا خاص اہتمام نہیں رہا، کبھی نقل رکھی گئی اور کبھی نہیں، پھر جو نقل رکھی گئی وہ بھی بعد کو محفوظ نہیں رہی۔

۱۹۴۴ء میں ندوہ میں میرا داخلہ ہوا، مفتی سعید صاحب ندویؒ میرے استاذ بھی تھے اور مربی بھی، وہ رشتہ میں میرے بہنوئی تھے، اس وجہ سے ان سے زیادہ قربت تھی، میں چونکہ اونچے درجہ کا طالب علم تھا اس لیے مفتی صاحب مجھ سے فقہ کے حوالے نکلوایا کرتے تھے، اور اخیر دور میں تو میں فتاویٰ لکھتا بھی تھا، ان کے انتقال کے بعد جب میں دارالعلوم میں مدرس ہوچکا تھا، فتاویٰ لکھنے کی ذمہ داری میرے سپرد کی گئی، یہ ۱۹۵۰ء کی بات ہے۔

اللہ جزائے خیر دے عزیزی مولوی سلمان کو، جن کی محنت اور جدوجہد سے دارالقضاء ابتداءً لکھنؤ میں قائم ہوا، ۱۹۹۲ء میں احاطہ دارالعلوم میں ایک شاندار جلسہ ہوا، جس میں مولانا منت اللہ رحمانی اور دوسرے بڑے علماء شریک تھے، اس موقعہ پر "المعہد العالی للقضاء والافتاء" کے نام سے ایک مستقل شعبہ کا قیام ہوا، اس کے بعد ہی

دارالافتاء کو ایک مستقل ادارہ کی حیثیت حاصل ہوئی، اب اس کی طرف رجحان بہت بڑھ چکا تھا، اس لیے بھی اس شعبہ کو منظم کرنے کی ضرورت تھی، اس کے بعد فتاویٰ کے نقل رکھنے کا باضابطہ سلسلہ شروع ہوا، اس وقت سے اب تک جتنے فتاویٰ یہاں سے دیے گئے ہیں، الحمدللہ سب محفوظ ہیں، اگر اس سے پہلے کے فتاویٰ محفوظ ہوتے تو یہاں فتاویٰ کا بہت بڑا سرمایہ ہوتا۔

اب جہاں تک اس کی خصوصیات کے بات ہے تو ہم اپنی زباں سے اپنی تعریف کیا کریں، اپنی ستائش مناسب نہیں، دوسروں نے اس موضوع پر لکھا ہے، وہ کافی ہے، یہاں کے فتاویٰ کی ایک جلد شائع ہوچکی ہے، اس کو پڑھ کر بھی خصوصیات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اس لیے صرف چند باتوں کی طرف اشارہ کردینا کافی ہے:

۱-**پہلی خصوصیت** تو یہ ہے کہ اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ اختیار کی گئی ہے، جو ندوہ کی اصل بنیاد ہے، ندوہ نے ہمیشہ اعتدال کی بات کہی ہے، اس لیے اس کے دارالافتاء کا بھی یہی مزاج ہے۔

اعتدال کی پہلی مثال

مثال کے طور پر جمعہ کے سلسلے میں یہاں سے یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ جن دیہاتوں میں ایک طویل مدت سے جمعہ پڑھا جاتا ہے وہاں پر جمعہ قائم رکھنا جائز ہے، ختم نہیں کرنا چاہیے، البتہ جن دیہاتوں میں جمعہ قائم نہیں ہے وہاں ظہر پڑھنا چاہیے، یہ دینی دعوتی کام کے لئے ضروری ہے، فقہ حنفی کی شرط (مصر کی شرط) لازم نہیں ہے دوسرے فقہی مذاہب میں یہ شرط نہیں ہے، خود فقہاء احناف نے مصر کی شرط میں تخفیف سے کام لیا ہے، قصبات کو بھی مصر کے حکم میں مانا ہے۔

اعتدال کی دوسری مثال

مطلقہ ثلاثہ کی ہے کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاق دیدی ہے تو اگر شخص مذکور اہل حدیث ہے تو اس کے حق میں یہ ایک طلاق ہے، عدت میں رجوع کرسکتا ہے، اگر وہ شخص حنفی ہے اور اہل حدیث سے فتویٰ لے کر اپنی نفس کی اتباع میں ایسا کرتا ہے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے، کیونکہ ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ طلاق مغلظہ ہے، اس میں گنجائش نہیں نکالی جاسکتی ہے۔

اعتدال کی تیسری مثال

اگر کوئی اسلام میں داخل ہوتا ہے اور تین طلاق دے دیتا ہے تو اس کے لئے ایک طلاق کا فتوی دیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ نہ تو حنفی ہے اور نہ اہل حدیث، اس نقطہ نظر سے اس پر فقہ حنفی کا قانون لاگو نہیں کیا جاسکتا ہے، علامہ سید سلیمان ندویؒ کا ایک واقعہ طلاق ثلاثہ کے بارے میں مشہور ہے، آپ نے مولانا مفتی شفیع صاحبؒ اور دوسرے بڑے علماء کی موجودگی میں اپنی رائے کا اظہار کیا اور سبھوں نے نہ صرف اسے تسلیم کیا بلکہ کہا کہ یہ بات سید صاحبؒ ہی کہہ سکتے تھے۔

اعتدال کی چوتھی مثال

اختلافی مسائل میں حد سے تجاوز کرنا صحیح نہیں ہے جو جس مسلک کا ہو وہ اس پر عمل کرسکتا ہے، خاص طور پر مستحبات میں بہت شدت اختیار کرنا کہ ایک دوسرے پہ طعن وتشنیع کرنا اور لڑائی جھگڑا کرنا درست نہیں ہے، آخر اس میں کیا حرج ہے کہ وہ جس کو افضل سمجھتا ہے اس پر عمل کرے، فروعی مسائل میں حد سے تجاوز کرنا، کسی ایک رائے پر اصرار کرنا اور دوسری رائے کی مکمل نفی کرنا صحیح نہیں ہے۔

۲-**دوسری خصوصیت** یہاں کے دارالافتاء کی یہ ہے کہ جواب سادہ اور عام فہم زبان میں دیا جاتا ہے، کیونکہ اکثر سوال کرنے والے عربی اور مغلق زبان سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں، قدیم علماء کی زبان خالص علمی و اصطلاحی زبان ہوتی ہے، جس کے وہ سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں، اس لئے ہمارے یہاں پوچھنے والے کو ان کی سادہ زبان میں ہی جواب دیا جاتا ہے، کوئی بات دفع دخل مقدر کی نہیں ہوتی ہے کہ وہ کسی الجھن میں مبتلا ہو، حتی الامکان اغلاق اور طویل عبارت سے احتراز کیا جاتا ہے تاکہ وہ آسانی سے سمجھ جائیں، ایسے بھی فتاوے دیکھنے میں آتے ہیں کہ وہ فتوی کے حدود سے باہر ہیں، وہ مقالہ اور علمی تحقیق کے حدود میں داخل ہوگئے ہیں، گویا مستفتی کسی چوراہے پر حیران و پریشان کھڑا ہے، اس کو سیدھی راہ نہیں مل رہی ہے، وہ کرے تو کیا کرے۔

۳-**تیسری خصوصیت** یہ ہے کہ مبتدعین کے رد میں کوئی تیز وتند جملہ استعمال نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ متانت اور سنجیدگی سے جواب دیا جاتا ہے، مبتدعین کے بعض اعمال شرکیہ ہیں، ان کے جواب میں ان کو مشرک یا کافر کے لفظ سے یاد نہیں کیا جاتا ہے، بعض غالی قسم کے لوگ ان کو مشرک اور کافر کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب شرک کیا تو مشرک ہوئے، کفر کیا تو کافر ہوئے، ہم بتاویل ان کو عمل شرک کرنے والا قرار دیتے ہیں، مشرک نہیں کہتے ہیں......

(بقیہ صفحہ ۱۹ر پر)

مسلم سماج

نکاح میں کفو کی شرط

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

شادی بیاہ کے معاملے میں ابھی تک لوگ خود ساختہ خیالات کے بندھن میں کس بری طرح جکڑے ہوئے ہیں اور اس معاملے میں اسلامی تعلیمات سے غفلت اور ناواقفیت کتنی عام ہو چکی ہے؟ اس کا اندازہ ان مختلف قضیوں میں ہوتا رہتا ہے جو لوگ شرعی حل معلوم کرنے کے لیے بکثرت میرے سامنے لاتے رہتے ہیں، ایک خاتون نے امریکہ سے مجھے ایک طویل خط میں اپنی درد بھری داستان لکھی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے والد ایک کروڑ پتی آدمی ہیں، پڑھے لکھے ہیں؛ لیکن ان کو یہ اصرار تھا کہ وہ اپنی کسی بیٹی کی شادی برادری سے باہر نہیں کریں گے، خاتون نے لکھا ہے کہ میں ان کی بڑی بیٹی ہوں اور شروع میں مجھ سے شادی کرنے کے لیے کئی رشتے آئے؛ لیکن میرے والد نے ہر رشتہ کو یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ برادری سے باہر کا رشتہ ہے، اس لئے ان کے قابل قبول نہیں، یہاں تک کہ میری عمر زیادہ ہوتی چلی گئی اور بالآخر رشتے آنے بند ہو گئے، یہاں تک کہ ایک روز میرے والد نے مجھ سے یہ کہا کہ اب میرے لیے تمہارا کوئی رشتہ برادری سے حاصل کرنا ممکن نہیں رہا، لہٰذا تم اب میرے سامنے حلف یہ اٹھاؤ کہ عمر بھر شادی نہیں کرو گی، میں چونکہ مالدار آدمی ہوں، لہٰذا جیتے جی تمہاری کفالت کروں گا؛ لیکن مجھے یہ کسی قیمت پر گوارا نہیں ہے کہ تمہاری شادی برادری سے باہر ہو، خاتون کہتی ہیں کہ والد صاحب نے مجھے یہ اقرار کرنے پر اتنا مجبور کیا کہ بالآخر میں نے یہ وعدہ کر لیا کہ تمام عمر شادی نہیں کروں گی اور اس کے بعد واقعتاً میں نے یہ تہیہ بھی کر لیا کہ اپنے والد کی خواہش کے احترام میں زندگی اسی طرح گذار دوں گی؛ لیکن میری چھوٹی بہن ایک بھائی اور والدہ اس فیصلے پر راضی نہیں ہوئے، ایک صاحب نے جنہوں نے عرصہ دراز پہلے میرے لیے رشتہ مانگا تھا اور والد نے انہیں سختی سے انکار کر دیا تھا، ابھی تک مجھ شادی کرنے پر آمادہ تھے، میرے بھائی بہن نے ان سے بات کی اور والد صاحب کو بھی آمادہ کرنے کی کوشش کی، آخر کار والد صاحب نے اتنا تو کہہ دیا کہ اگر تم لوگ یہ نکاح کرنا ہی چاہتے ہو میں نکاح کرا دوں گا؛ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس کے بعد لڑکی کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، بہن نے مجھ سے والد صاحب کی یہ بات چھپائی اور صرف اتنا کہا کہ وہ ناراض تو ہیں، مگر نکاح پر آمادہ ہو گئے ہیں، چنانچہ یہ نکاح ہو گیا اور میں اپنے شوہر کے ساتھ امریکہ چلی آئی؛ لیکن اب مجھے پتہ چلا ہے کہ والد صاحب نے عمر بھر کے لیے مجھ سے قطع تعلق کر لیا ہے، نہ وہ مجھ سے فون پر بات کرنے کے لیے تیار ہیں، نہ مجھے اپنی بیٹی تسلیم کرنے پر آمادہ ہیں۔

یہ واقعہ تو انتہائی سنگین نوعیت کا ہے؛ لیکن یہ بات اکثر سننے دیکھنے میں آتی رہتی ہے کہ لوگ برادری میں نکاح کرنے کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہیں، یہ درست ہے کہ شریعت نے نکاح کے معاملے میں ایک حد تک کفو کی رعایت رکھی ہے؛ لیکن اس کا مقصد یہ ہے کہ نکاح چونکہ زندگی بھر کا ساتھ ہوتا ہے، اس لیے میاں بیوی اور دونوں خاندانوں کے درمیان طبعی ہم آہنگی ہو، ان کے رہن سہن، ان کے طرز فکر اور ان کے مزاج میں اتنی دوری نہ ہو کہ ایک دوسرے کے ساتھ نباہ کرنے میں مشکل پیش آئے؛ لیکن اول تو کفو کی اس رعایت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اگر کفو میں کوئی رشتہ نہ ملے تو یہ قسم کھالی جائے کہ اب زندگی بھر شادی نہیں ہو سکے گی، دوسرے کفو کا مطلب یہ نہیں کہ خاص اپنی برادری ہی میں رشتہ کیا جائے اور برادری کے باہر سے جو بھی رشتہ آئیں انہیں غیر کفو قرار دیا جائے، اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے جنہیں نظرانداز کرنے سے ہمارے معاشرے میں بڑی غلط فہمیوں پھیلی ہوئی ہیں:

۱۔ ہر وہ شخص کسی لڑکی کا کفو ہے جو اپنے خاندانی حسب نسب، دین داری اور پیشے کے لحاظ سے لڑکی اور اس کے خاندان کا ہم پلہ ہو، یعنی کفو میں ہونے کے لئے اپنی برادری کا فرد ہونا ضروری نہیں، بلکہ اگر کوئی شخص کسی اور برادری کا ہے؛ لیکن اس کی برادری بھی لڑکی کی برادری کے ہم پلہ سمجھی جاتی ہے تو وہ بھی لڑکی کا کفو ہے، کفو سے باہر نہیں ہے مثلاً سید، صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی، بلکہ تمام قریشی برادریاں ہمارے ملک میں پائی جاتی ہیں مثلاً راجپوت، خان وغیرہ وہ بھی اکثر ایک دوسری کے ہم پلہ سمجھی جاتی ہیں اور ایک دوسرے کے لئے کفو ہیں۔

۲۔ بعض احادیث وروایات میں یہ ترغیب ضرور دی گئی ہے کہ نکاح کفو میں کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ دونوں خاندانوں کے مزاج آپس میں میل کھا سکیں؛ لیکن یہ سمجھنا غلط ہے کہ کفو سے باہر نکاح کرنا شرعاً بالکل ناجائز ہے یا یہ کہ کفو سے باہر شرعاً درست نہیں ہوتا، حقیقت یہ ہے کہ اگر لڑکی اور اس کے اولیاء کو کفو سے باہر کوئی مناسب رشتہ مل جائے تو وہاں شادی کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، کفو میں رشتہ نہ ملنے کی وجہ سے لڑکی کو عمر بھر بغیر شادی کے بٹھائے رکھنا کسی طرح جائز نہیں۔

۳۔ شریعت نے یہ ہدایت ضرور دی ہے کہ لڑکی کو نکاح بغیر ولی کے نہیں کرنا چاہیے (خاص طور سے اگر کفو سے باہر نکاح کرنا ہو تو ایسا نکاح اکثر فقہاء کے نزدیک بغیر ولی کے درست نہیں ہوتا) لیکن ولی کو بھی یہ چاہیے کہ کفو کی شرط پر اتنا زور نہ دے جس کے نتیجے میں لڑکی عمر بھر شادی سے محروم ہو جائے اور برادری کی شرط پر اتنا زور دینا تو اور بھی زیادہ بے بنیاد حرکت ہے، جس کا کوئی جواز نہیں ہے۔

ایک حدیث میں حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اذا جاء کم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ الا تفعلوا تکن فتنۃ فی الأرض وفساد کبیر"۔ (جب تمہارے پاس کوئی رشتہ لے کر آئے جس کی دینداری اور اخلاق پسند ہوں تو اس سے (اپنی لڑکی کا) نکاح کر دو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ وفساد برپا ہو جائے گا)۔

۴۔ اسی ضمن میں یہ غلط فہمی بھی بہت سے لوگوں میں عام ہے کہ سید لڑکی کا نکاح غیر سید گھرانے میں نہیں ہو سکتا، یہ بات بھی شرعی اعتبار سے درست نہیں ہے، ہمارے عرف میں 'سید' ان حضرات کو کہتے ہیں جن کا نسب بنی ہاشم سے جا ملتا ہو، چونکہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم بنی ہاشم سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے بلاشبہ اس خاندان سے نسبی وابستگی ایک بہت بڑا اعزاز ہے؛ لیکن شریعت نے ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی کہ اس خاندان کی کسی لڑکی کا نکاح باہر نہیں ہو سکتا، بلکہ جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا نہ صرف شیوخ، بلکہ تمام قریشی نسب کے لوگ بھی شرعی اعتبار سے سادات کے کفو ہیں اور ان کے درمیان نکاح کا رشتہ قائم کرنے میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے، بلکہ قریش سے باہر کے خاندانوں میں بھی باہمی رضامندی کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

.........بقیہ صفحہ ۱۷ کا)

مشرک کے کلی احکامات میں داخل نہیں کرتے ہیں، فرق سے متعلق جو فتاویٰ یہاں سے دیے گئے ہیں ان میں یہ خصوصیت نمایاں طور پر نظر آئے گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ جن میں تین خصلتیں پائی جائیں تو وہ منافق ہے، یہ وہ منافق نہیں ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین کا گروہ تھا، یہ عمل نفاق والا منافق کہلائے گا۔

۴۔ **چوتھی خصوصیت** یہاں کے دار الافتاء کی یہ ہے کہ دور حاضر کے مسائل خواہ وہ معاشرتی ہوں، کاروباری ہوں، عمرانی ہوں، اقتصادی ہوں، ذرائع آمدنی کی جدید شکلیں ہوں، جو موجودہ دور میں نئی نئی شکلوں میں رائج ہو گئے ہیں، ان کی شرعی حیثیت واضح کرنا، بدلتے ہوئے حالات میں ان مسائل کا شرعی حل پیش کرنا جدید دور کا چیلنج ہے، اس میں کافی تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہے، ایسے مسائل میں ہمارے یہاں خوب غور وفکر اور اجتماعی بحث ومناقشہ کے بعد ہی جواب لکھا جاتا ہے، اس کے ساتھ دیگر علماء سے بھی رجوع کر کے عمل کرنے کی ہدایت دی جاتی ہے۔

۵- **پانچویں خصوصیت** یہ ہے کہ ملک میں بہت سے دار الافتاء ہیں، مشہور و معروف اہل علم ہیں جو دینی معلومات اور دینی روح ومزاج سے واقفیت رکھتے ہیں، ان سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے تاکہ اختلاف نہ ہو، امت میں انتشار نہ ہو، علماء کے ساتھ عوام کا حسن ظن قائم رہے۔

ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ استفتاء کے جواب میں حکم شرعی بتانے کے ساتھ دعوتی اور تذکیری پہلو کی طرف بھی توجہ دلائی جاتی ہے۔

یہ چند باتیں میرے ذہن میں تھیں جو پیش کی گئیں، ورنہ ان خصوصیات کے لیے ایک دفتر کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کے عمل کو قبول فرمائے اور ایمان پر خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

اصلاح معاشرہ

ماہ صفر احادیث کی روشنی میں

مولانا عبدالقادر پٹنی ندوی

اسلامی تقویم کا دوسرا مہینہ صفر ہے جس کو اہل تقویم لفظ مظفر بڑھا کر ''صفر المظفر'' کہتے ہیں، صفر بھی عربی لفظ ہے جس کے معنی بقول صاحب نہایہ ابن الاثیر جزریؒ پیٹ میں ایک کیڑا ہوتا ہے جو بوقت بھوک تکلیف پہنچاتا ہے نیز متعدی بھی ہوتا ہے۔

صاحب ''مجمع بحار الانوار'' علامہ محمد بن طاہر پٹنیؒ صاحب شرح بخاری علامہ کرمانیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:" ھو بفتحتین (صَفَر) حیۃفی البطن اعتقدوا أنھا اعدیٰ من الجرب" یعنی اہل عرب کا خیال تھا کہ صفر پیٹ میں پیدا ہونے والے ایک سانپ کو کہتے ہیں، جو خارش سے بھی بڑھ کر متعدی ہوتا ہے۔[مجمع بحارالانوار:۳/۳۲۳]

ماہ صفر کو اہل جاہلیت منحوس سمجھتے تھے جو کہ سراسر غلط بات ہے، اس لیے حدیث شریف میں صراحۃً اس عقیدہ کی تردید کی گئی، چنانچہ مسلم شریف میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ:" لاعدویٰ ولا صفر ولاغول" یعنی مرض کا متعدی ہونا، صفر کو منحوس سمجھنا اور غول کوئی چیز نہیں، غالباً اسی وجہ سے اہل علم نے اس کے ساتھ ''مظفر'' کا لفظ بڑھانا بہتر سمجھا یعنی یہ مہینہ منحوس نہیں بلکہ کامیابی وکامرانی والا مہینہ ہے۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "لاعدویٰ ولا صفر و لا ھامۃ" اس پر ایک اعرابی نے سوال کیا کہ:" یارسول اللہ! فمابال ابل یکون فی الرمل کأنھا الظباء فیأتی البعیر الأجرب فیدخل فیھا فیجربھا، قال: فمن أجرب الأول؟ " یعنی کیا بات ہے کہ میدان میں ہرنوں کے مانند اونٹ ہوتے ہیں اور ایک خارش والا اونٹ آکر ان میں داخل ہوجاتا ہے اور سب کو خارش زدہ بنادیتا ہے، اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے اونٹ کو کس نے خارش والا بنایا؟ یعنی جس طرح پہلے اونٹ کو بغیر مریض اونٹ کے ساتھ رہے محض اللہ کے حکم سے خارش ہوئی، اسی طرح سب اونٹوں کو اللہ کے حکم سے ہی خارش ہوئی نہ کہ محض مریض اونٹوں کی صحبت سے۔

اس طرح کے غلط عقائد کی تردید میں کئی چیزیں مذکور ہیں جن کا قدرے تفصیل سے اگلی سطروں میں ذکر کیا جارہا ہے:۱-عدویٰ، ۲-صفر،۳-غول،٤-ھامۃ،٥-طیرۃ،٦-نوء۔

۱-عدویٰ: متعدی ہونا، ایک تندرست کا کسی بیمار کی صحبت کی وجہ سے بیمار ہوجانا گویا بیمار نے اپنی بیماری اس تندرست کی طرف بڑھادی اور اس کو بیمار کردیا، یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پہلا بیمار ہو یا دوسرا، تیسرا، سب اللہ کے حکم سے بیمار ہوئے ہیں نہ کہ چھوت سے۔

اس کا یہ مطلب بھی نہ نکالا جائے کہ اس طرح کے مریض کے قرب سے بچا نہ جائے، اس لیے کہ دوسری طرف یہ بھی ہے کہ:" فر من المجذوم کما تفر من الأسد" یعنی جس طرح شیر سے بچتے اور بھاگتے ہو اسی طرح جذام والے سے بھی دور رہو، دراصل اعتقاد تو وہی ہونا چاہیے جو حقیقت ہے کہ مرض وشفاء کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، اس میں کسی کے قرب اور چھوت کا کوئی دخل نہیں، البتہ عوام کو ایسے مریض سے دور ضرور رہنا چاہیے کہ دنیا دارالاسباب ہے اور اگر بحکم خداوندی کسی کو یہ مرض لاحق ہوا اور اس وقت اس کا ایسے مریض کے ساتھ اختلاط بھی تھا تو اس کو غلط فہمی ہوگی کہ اس مریض کے ساتھ رہنے کی وجہ سے مجھے یہ مرض لگا حالانکہ بحکم خداوندی ایسا ہوا، اس لیے عملاً اس سے دور رہنا چاہیے۔

۲-صَفَر: ماہ صفر کے بارے میں دور جاہلیت میں بہت سے غلط عقائد لوگوں میں تھے، ان کی تردید کی گئی ہے، بعض لوگوں کا عقیدہ تھا کہ یہ منحوس ہے یا صفر پیٹ میں پیدا ہونے والا ایک کیڑا ہے جو بھوک کے وقت ڈستا ہے اور بسا اوقات موت تک نوبت پہنچ جاتی ہے یا یہ کہ زمانہ جاہلیت میں مہینوں کو آگے پیچھے کردیتے تھے کہ محرم کو صفر بنایا یا صفر کو مؤخر کردیا، حدیث کے عموم سے ان سب باتوں کی نفی ہوگئی کہ کوئی زمانہ منحوس نہیں ہوتا نہ یہ درست ہے کہ کسی مہینہ کو آگے پیچھے کردیا جائے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت میں شوال کو بھی منحوس سمجھتے تھے اور حضرت عائشہؓ کی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی شوال میں ہی ہوئی تھی، اس لیے حضرت عائشہؓ ایسے لوگوں سے فرماتی تھیں کہ بتاؤ مجھ سے خوش قسمت کون ہوگا؟

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو اپنی چہیتی بیوی فرمایا، لہٰذا کسی زمانہ کو منحوس سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

۳-غول: مجمع بحار الانوار[۴/۷۶، ۷۷] میں نہایہ کے حوالے سے لکھا ہے: الغول واحد الغیلان الخ، غول جس کی جمع غیلان آتی ہے، جن اور شیاطین کی ایک جنس ہے جن کے بارے میں اہل جاہلیت کا خیال تھا کہ جنگل میں وہ لوگوں کو نظر آتے ہیں، مختلف صورتیں بدل بدل کر دکھائی دیتے ہیں اور ان کو راستہ سے گمراہ کرکے ہلاک کردیتے ہیں، حدیث میں اس خیال کی بھی تردید کی گئی ہے۔

۴-ھامۃ: کھوپڑی، سر کے اوپر کا حصہ، اہل عرب جاہلیت میں الو کی طرح کے ایک پرندہ کو جو رات میں نکلتا ہے، ھامہ کہتے تھے اور اس کے بارے میں طرح طرح کے خیالات رکھتے تھے، مثلاً یہ کہ یہ پرندہ منحوس ہوتا ہے جس کے گھر پر بیٹھتا ہے وہ یا اس کے گھر کا کوئی فرد مرجاتا ہے یا یہ کہ مردہ جب قبر میں دفن کردیا جاتا ہے تو اس کی کھوپڑی سے یہ پرندہ نکلتا ہے یا یہ کہ جب کسی کو کوئی قتل کردیتا ہے اور اس کا بدلہ نہیں لیا جاتا تو اس کی روح چلاتی ہے، میں پیاسی ہوں، مجھے پلاؤ، جب اس کا بدلا لے لیا جاتا ہے تب وہ خاموش ہوتی ہے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی معروف کتاب " ماثبت بالسنۃ" میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

۵-طِیَرَۃ: بدشگونی یا بدفالی، اہل عرب کے عقائد میں ایک چیز بدفالی اور بدشگونی بھی تھی، اگر جنگل میں شکار کرنے کے لیے نکلے ہیں، کہیں ہرن یا پرندے دیکھے اور وہ مثلاً داہنی طرف بھاگے سمجھتے کہ ہم مقصد میں کامیاب ہوں گے اور بائیں طرف بھاگے تو سمجھتے کہ ناکام ہوں گے گویا پرندوں یا شکاری جانوروں کا یہ عمل کامیابی و ناکامی میں مؤثر ہے۔

یہ عقیدہ اسلامی بنیادی عقیدۂ توحید کے خلاف ہے نیز اللہ کے ساتھ بدگمانی پر مبنی ہے، لہٰذا اس سے روکا گیا۔

اس کے برخلاف ایسی شکل جس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن قائم ہوتا ہو جس کو نیک فالی کہا جائے گا اس کو پسند کیا گیا ہے، حدیث میں اس طرح کے واقعات بہت کثرت سے ملتے ہیں۔

٦-نوء: حدیث شریف "لاعدویٰ ولاطیرۃ ولاھامۃ ولاصفر " کے ساتھ بعض روایات میں "ولا نوء" بھی آیا ہے یعنی جس طرح عدویٰ، مرض کا متعدی ہونا وغیرہ اپنی ذات سے کچھ نہیں اسی طرح ''نوء'' بھی کچھ نہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے ''نوء'' کیا ہے؟ اور اس کی ممانعت سے کیا مراد ہے؟ ''نوء'' بھی عربی زبان کا لفظ ہے اور اضداد میں سے ہے یعنی دو ایسے معانی میں استعمال ہوتا ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں چنانچہ ''نوء'' طلوع اور غروب دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

علامہ کرمانیؒ مؤلف شرح بخاری رقمطراز ہیں کہ:" النوء بفتح نون وسکون واو فھمزۃ زعموا ان المطر لأجل أن الکوکب ناء أی غرب أو طلع" ۔ اہل عرب کا اعتقاد تھا کہ بارش ایک سیارہ (ثریا) کے طلوع وغروب سے ہوتی ہے، صاحب النھایہ ابن الاثیر تحریر فرماتے ہیں: جاہلیت کے امور (یعنی غلط اعتقادات) میں سے ''انواء'' بھی ہے، ''انواء'' (منزلیں) کل اٹھائیس ہیں، جن میں سے ہر ایک رات میں ایک ستارہ غروب ہوتا ہے اور صبح کو دوسرا طلوع ہوتا ہے۔

قاضی ابن العربی فرماتے ہیں کہ جو اس طرح سیارہ کے طلوع وغروب پر بارش ہونے کو اپنی ذات میں فاعل حقیقی سمجھتا ہے وہ کفر کرتا ہے، اس لیے کہ ''خلق'' یعنی پیدا کرنا جس میں بارش بھی داخل ہے، صرف خدا کا فعل ہے، اور جو فاعل صرف اللہ کو مانتا ہے اور اس کو عادۃ اللہ سمجھتا ہے تو کفر نہیں ہے۔ امام نوویؒ پھر بھی اس کو کراہیت سے خالی نہیں مانتے کیونکہ یہ اہل کفر کا شعار ہے۔

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

☆۱۸؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ مطابق ۳؍دسمبر ۲۰۱۲ء کو مولانا عبدالقادر ندوی کے والد محترم کے قائم کردہ مدرسہ "مسلم العلوم" پالنپور، گجرات کے مہتمم مولانا محمد شریف صاحب کا انتقال ہوگیا اناللہ وانا الیہ راجعون۔

☆ماہ محرم ہی کے آخری ہفتہ میں مولانا محمد سلیمان بانی "جامعہ نذیریہ" کاکوی کی اہلیہ محترمہ انتقال کرگئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے، قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆☆☆

فقہ و فتاوی

سوال و جواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: جب انسان قریب مرگ ہوتو اسے کس طرح لٹایا جائے؟ اس بارے میں پوری وضاحت کے ساتھ رہنمائی کریں، کیونکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ میت کو اس طرح لٹاتے ہیں کہ پاؤں قبلہ رخ ہوتا ہے، جو خلاف ادب معلوم ہوتا ہے؟

جواب: جب انسان کے انتقال کا وقت قریب ہوجائے تو اسے قبلہ رخ کردینا چاہیے، قبلہ رُخ کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ جیسے سوتے وقت داہنی کروٹ سونا مسنون ہے، اسی طرح داہنی کروٹ لٹادیا جائے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ چت لٹادیا جائے اور پاؤں اور چہرہ دونوں قبلہ رخ ہو، چہرہ کو قبلہ رخ کرنے کے لیے سر کے نیچے کچھ رکھ دیا جائے تاکہ سر اونچا ہوجائے اور چہرہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو، اس صورت میں پاؤں قبلہ رُخ ہوتا ہے، لیکن اصل مقصود پاؤں کو قبلہ رخ کرنا نہیں ہوتا ہے بلکہ چہرہ کو قبلہ رخ کرنا مقصود ہوتا ہے، اس لیے یہ قبلہ کی بے ادبی نہیں بلکہ قبلہ کی طرف رخ کرنا ایک علامتی عمل ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔[ردالمحتار:۳/۷۸]

سوال: کیا میت کے قریب قرآن مجید پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: میت کو جب تک غسل نہ دیا جائے اس وقت تک وہ ناپاک ہے، اس لیے غسل سے پہلے میت کے قریب قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے، البتہ غسل دینے کے بعد پڑھ سکتے ہیں۔[کبیری، ص/۵۳۳]

سوال: میت کو رشتہ داروں کے انتظار میں دیر تک رکھتے ہیں، کبھی کبھی ایک دن اور ایک رات کا وقفہ ہوجاتا ہے، ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

جواب: کسی کے انتقال کے بعد تدفین میں جلدی کرنا چاہیے، رشتہ داروں کے انتظار میں زیادہ دیر تک میت کو روکے رکھنا پسندیدہ نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی تدفین میں تاخیر کرنے کو ناپسند فرمایا ہے، حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنا! نماز جب وقت ہوجائے، جنازہ جب آجائے اور نکاح جب لڑکی کے لیے مناسب رشتہ آجائے۔[جامع ترمذی/حدیث۱۰۷۵]

سوال: شوہر کے انتقال کے بعد بیوی کا اس کے چہرہ کو دیکھنا یا جسم کو ہاتھ لگانا، اسی طرح بیوی کے انتقال کے بعد شوہر کا اس کے چہرہ کو دیکھنا یا اس کے جسم کو ہاتھ لگانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: بیوی کے لیے شوہر کے انتقال کے بعد اس کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا جائز ہے اور اگر ضرورت ہو تو غسل دینے کی بھی اجازت ہے کیونکہ شوہر کے انتقال کے بعد جب تک عدت وفات گذر نہ جائے ایک حد تک وہ اس کے نکاح میں رہتی ہے، اس لیے اس کے لیے دیکھنے، چھونے اور بوقت ضرورت غسل دینے کی اجازت ہے، لیکن شوہر کے لیے بیوی کے انتقال کے بعد اس کو غسل دینا اور چھونا جائز نہیں ہے کیونکہ مرنے کے بعد وہ ایک اجنبی عورت کے حکم میں ہوجاتی ہے، البتہ چہرہ دیکھنے کی اجازت ہے، علامہ حصکفیؒ نے صراحت کی ہے: "یمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر اليها على الأصح" (شوہر کو فوت شدہ بیوی کو غسل دینے اور چھونے سے روک دیا جائے لیکن اصح قول کے مطابق دیکھنے سے منع نہیں کیا جائے گا)۔[الدر المختار علیٰ ردالمحتار:۱/۶۶۸]

سوال: کفن پر کلمہ طیبہ لکھنا کیسا ہے؟ کیا حدیث میں اس کی کوئی فضیلت آئی ہے؟ کیا یہ منع تو نہیں ہے؟

جواب: کفن پر کلمہ طیبہ لکھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے، فقہاء نے کفن پر اس کو لکھنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس میں کلمہ طیبہ کی بے حرمتی ہوتی ہے، بسا اوقات نعش پھول پھٹ جاتی ہے، جس سے کفن آلودہ اور ناپاک ہوجاتا ہے، اس لیے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔[ردالمحتار:۱/۶۶۸]

سوال: کیا مردوں کو سفید کے علاوہ کوئی رنگین کفن دیا جاسکتا ہے؟

جواب: مردوں کو سفید کپڑے کا کفن دینا افضل ہے، ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کپڑا سفید کپڑا ہے، جو لوگ زندہ ہیں وہ سفید کپڑے کو اپنا لباس بنائیں اور مردوں کو ایسے ہی کپڑوں میں کفن دیا جائے۔[مستدرک حاکم/حدیث ۱۳۰۹] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رنگین کپڑوں کے بجائے سفید کپڑوں میں کفن دیا جائے۔

☆☆☆☆☆

حقوق وفرائض

تاجروں کے فضائل وآداب

خالد فیصل ندوی

قال اللہ تعالیٰ: ﴿يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْآصَالِ، رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَ الْأَبْصَارُ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَ يَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَ اللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾.[النور/۳۶-۳۸] (ان گھروں میں صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح ایسے لوگ کرتے ہیں، جن کو کاروبار اور خرید وفروخت اللہ تعالیٰ کی یاد، نماز کے اہتمام اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتے، وہ ایک ایسے دن سے ڈرتے ہیں، جس دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہوجائیں گی (اس نیک ارادہ ومقصد سے) کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے اور ان کو اپنے فضل سے مزید نوازے، اللہ تعالیٰ جسے چاہیں بے شمار روزی دیتے ہیں)۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی انسانوں کے خالق اور رازق ہیں اور انسانوں کی معاشی ضروریات پوری کرنے کے کفیل وضامن ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی سارے جہانوں اور تمام انسانوں کے پالنہار ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار مختلف اسلوب میں تمام مخلوق کو رزق بہم پہنچانے کا اعلان عام فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ عنکبوت میں نہایت ہی واضح اور جامع انداز میں ارشاد فرمایا کہ: "اور بہت سے جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے، ان سب کو اور تم سب کو اللہ تعالیٰ ہی روزی دیتے ہیں، وہ بڑا ہی سننے اور جاننے والے ہیں"۔[عنکبوت/۶۰] اور رزق رسانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بہت سارے وسائل وذرائع (زراعت، تجارت، صناعت، اجرت وملازمت وغیرہ) فراہم فرمادی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "اور اس زمین میں ہم نے تمہارے لیے (بے شمار) اسباب معاش مہیا کردی ہے"۔[اعراف/۱۰] اللہ تعالیٰ نے ان اسباب معاش کی تفصیل سورہ انعام کی دو آیتوں (انعام/ ۱۴۱،۱۴۲] میں بیان کی ہے اور یہ واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں زرعی وحیوانی رزق رسانی کا بلیغ ترین انتظام فرمایا ہے اور سورہ ق [آیات/ ۹-۱۱] اور سورہ رحمان [آیات/ ۱۱،۱۲] اور سورہ زخرف [آیت/۳۲] میں مزید تفصیل یہ ہے کہ قسم قسم کے باغات، موسم کے مختلف غلہ ومیوہ جات اور بہت سے پھلدار درخت بہترین ذریعہ معاش ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ ہی حقیقی رازق ہیں، حکیم ودانا ہیں اور ذرائع معاش کے بہترین نظم کرنے والے ہیں اور ہر ایک مخلوق کو اس کی ضرورت اور اپنی حکمت بالغہ کے مطابق رزق بہم پہونچانے والے ہیں۔

تجارت کی اہمیت

ان اسباب وذرائع معاش (زراعت و باغبانی، صنعت وحرفت اور تجارت وکاروبار وغیرہ) میں سے قابل ذکر ذریعہ معاش تجارت ہے، یہ پیشہ بہت ہی قابل قدر وعظمت اور بڑی فضیلت ومرتبہ والا ہے، بعض اکابرین امت کے نزدیک تجارت کا درجہ تمام پیشوں میں اول اور افضل ہے، چنانچہ صاحب اعانۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ: "اسباب معاش میں سب سے زیادہ فضیلت والا پیشہ زراعت پھر تجارت ہے، لیکن ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ تجارت سب سے زیادہ فضیلت والا پیشہ ہے۔[اعانۃ الطالبین] اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے بھی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ کی تفسیر کے ذیل میں جہاد کے بعد تجارت کو ہی سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ قابل ترجیح پیشہ قرار دیا ہے کہ: "سب سے بہتر کسب وکمائی جہاد ہے، اس کے بعد تجارت کا درجہ ہے، خاص طور پر وہ تجارت جو ایک ملک سے دوسرے ملک میں یا ایک شہر سے دوسرے شہر میں مسلمانوں کی ضروریات خاص کی چیزوں کو لانے اور لے جانے کا ذریعہ ہو، اس قسم کی تجارت کرنے والا شخص اگر حصول منفعت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی خدمت اور ان کی حاجت روائی کی نیت بھی رکھے تو اس کی تجارت عبادت کی بھی صورت بن جائے گی"۔

قرآن وحدیث میں بھی تجارت کی بڑی فضیلت وعظمت اور تاکید وترغیب بیان ہوئی ہے، قرآن کریم نے متعدد آیات [بقرہ/۱۹۸، جمعہ/۱۰، عنکبوت/۱۷، قصص/۷۷، جاثیہ/۱۲، مزمل/۲۰] تجارت کے ذریعہ حاصل ہونے والے مالی فائدوں کو اللہ تعالیٰ کا فضل قرار دے کر تجارت کا پیشہ اختیار

کرنے کی بڑی ترغیب وتاکید کی ہے، ایک آیت کریمہ میں تجارت کے لیے سفر کو نماز تہجد میں تلاوت کی تخفیف کا سبب قرار دیا گیا ہے۔[سورۂ مزمل/۲۰] اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی تجارت کی بڑی قدر ومنزلت وارد ہوئی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ تجارت سب سے عمدہ ذریعہ معاش ہے، آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ: ''سب سے عمدہ وپاکیزہ پیشہ (اسلامی اصول وآداب کے مطابق) تجارت کرنے والوں کا پیشہ ہے''۔[کنز العمال] نیز ایک دوسری حدیث میں تجارت کو قربت الٰہی کے حصول کا ذریعہ بتایا گیا ہے، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص مسلمانوں کے کسی شہر میں غلہ لے کر آیا اور اس دن کے بھاؤ کے مطابق اس غلہ کو بیچا تو اس شخص کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا''۔[ابن مردویہ]

اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنے لیے، بال بچوں اور ماتحتوں کے لیے بقدر ضرورت، حلال وجائز ذریعہ سے مال کمانے کو آخرت میں سرخ روئی اور کامیابی کا باعث قرار دیا گیا ہے، حدیث شریف کے مبارک الفاظ یہ ہیں کہ: ''جو رزق حلال کمائی سے حاصل کرے تاکہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچے، بیوی بچوں کے لیے مشقت اٹھائے، پڑوسیوں کے ساتھ بھلائی چاہے تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کی چاند کی مانند چمک رہا ہوگا''۔[بیہقی] اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ حلال کمائی کے لیے دوڑ دھوپ کرنا، اور تھک کر چور اور نڈھال ہوجانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت پسندیدہ اعمال ہیں اور یہ محنت ومشقت اللہ تعالیٰ کی مغفرت وبخشش کے ضامن ہیں، آپ کا ارشاد عالی ہے کہ: ''حلال کمائی کے سلسلہ میں اپنے بندہ کو تھکا ماندہ دیکھنا اللہ تعالیٰ خوب پسند فرماتے ہیں''۔(فردوس دیلمی) نیز آپؐ نے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ: ''جو بندہ شام کو اپنے ہاتھ کی کمائی سے تھک کر چور ہوگیا تو اس کی مغفرت وبخشش ہوجاتی ہے''۔[کنز العمال] نیز حصول رزق میں سعی وکوشش بعض گناہوں کی معافی وتلافی کا ذریعہ ہے، آپؐ نے فرمایا ہے کہ: ''بعض گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ صرف رزق حاصل کرنے میں فکر واہتمام اور سعی وکوشش کرنا ہی ہے''۔[طبرانی] اسی طرح ایک نہایت ہی اہم اثر ہے کہ رزق حلال کی طلب میں مشقت و پریشانی اور ذلت وخواری برداشت کرنا دخول جنت کا موجب ہے، حضرت ابواسحاق ابراہیم بن ادھمؒ نے بیان کیا ہے کہ ''مجھے بعض اکابرامت کا یہ قول پہنچا ہے کہ: ''رزق حلال کی طلب میں جو ذلت وخواری سے دوچار ہوگا تو جنت میں اس کا داخل ہونا بالکل طے ہے''۔[اتحاف السادۃ]

یقیناً رزق حلال کی طلب اور اسکے حصول میں سرگرداں ہونا شریعت میں مطلوب ومحمود اور مستحسن ومستحب ہے، چنانچہ قرآن کریم کی دو سورتوں (سورہ قصص/۷۷اور سورہ جمعہ/۱۰) میں حصول رزق کا صریح حکم موجود ہے اور بہت ساری احادیث مبارکہ میں کسب معاش کی تاکید موجود ہے، ایک حدیث میں ہے کہ کسب حلال عبادت ہے، آپؐ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ: ''اس نوجوان کا یہ عمل (کسب معاش میں سرگرمی) فی سبیل اللہ ہی ہے''۔[طبرانی] یہ حقیقت بھی تسلیم شدہ ہے کہ تجارت تمام ذریعہ معاش میں سب سے زیادہ فضیلت اور ترجیح والا پیشہ ہے، قرآن کریم کی متعدد سورتوں [نور/۳۶-۳۸، اسراء/۶۶، نحل/۱۴، جاثیہ/۱۲، مزمل/۲۰ اور حشر/۸] میں تجارت اور اس سے وابستہ افراد کی بڑی تعریف وتحسین کے سیاق میں تجارت کی مؤثر ترغیب موجود ہے نیز احادیث مبارکہ میں تجارت کی بڑی تاکید اور مؤثر ترغیب وارد ہوئی ہے، ایک حدیث میں تجارت کا پیشہ اختیار کرنے کا حکم موجود ہے، آپ کا ارشاد ہے کہ: ''تجارت (کا پیشہ) اپناؤ کیوں کہ اس میں رزق کا نواں حصہ ہے''۔[احیاء علوم الدین] نیز تجارت کا پیشہ تمام پیشوں میں سب سے زیادہ کارآمد، اور نفع بخش ذریعہ معاش ہے، آپؐ سے ایک مرسل روایت میں منقول ہے کہ: ''رزق کے نو حصے تجارت میں ہیں اور دسواں حصہ جانوروں (مویشی پروری) میں ہے''۔[اتحاف السادۃ] اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ: ''رزق کے بیس دروازے ہیں، اس میں سے انیس دروازے تجارت کے لیے ہیں''۔[کنز العمال]

تجارت کی اسی قدر ومنزلت، عظمت وفضیلت اور تاکید وترغیب کی اثر آفرینی تھی کہ اکثر حضرات صحابہ کرامؓ تجارت پیشہ تھے اور تجارت ان کے درمیان قابل رشک تھی، ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ: جہاد فی سبیل اللہ کے بعد اگر کسی حالت میں جان دینا مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو وہ یہ حالت ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا فضل (روزی بذریعہ تجارت) تلاش کرتے ہوئے کسی پہاڑی درے سے گزر رہا ہوں اور وہاں مجھ کو موت آجائے''۔[بیہقی] اسی طرح حضرات تابعین کے عہد زریں میں بھی تجارت کی بڑی

قدر وقیمت تھی، خود تجارت کیا کرتے تھے اور دوسروں کو تجارت کا شوق دلایا کرتے تھے، چنانچہ حضرت امام حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ: ''یہ بازار (تجارت کے مراکز) اللہ تعالیٰ کے عطیہ و نوازش کی جگہیں ہیں جو یہاں (عطیہ الٰہی) لینے آئے گا تو وہ پائے گا''۔[اتحاف السادۃ] اسی طرح حضرت ابوقلابہؒ سے منقول ہے کہ وہ اپنے متعلقین کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ: ''اپنے بازار (تجارت کے مراکز) کو لازم پکڑ لو کیوں کہ (تجارت کے ذریعہ بقدر ضرورت، جائز طریقہ سے، اچھی نیت کے ساتھ مال کما کر، لوگوں سے بے نیاز رہنا، ان کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا) بڑی عافیت میں سے ہے''۔[بیہقی]

تجارت اور تاجروں کے فضائل

تجارت تمام پیشوں میں سب سے زیادہ عظمت وفضیلت اور درجہ ومرتبہ والا پیشہ ہے، اور یہ معاشرہ کے ہر عام وخاص کی ضرورت ہے اوروں کی طرح ہی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی ضرورت پر خرید وفروخت کیا کرتے تھے اور بازار بھی تشریف لے جایا کرتے تھے، حضرت قتادہؓ سے منقول ہے کہ: ''آپؐ سے پہلے تمام انبیاءؑ بازاروں میں آمد ورفت رکھتے تھے''۔[در منثور: ۶/۲۴۳] نیز بکریوں کی تجارت حضرات انبیاء کرامؑ کی سنت ہے، ایک حدیث میں ہے کہ: ''معاش کے بہترین ذریعوں میں زراعت اور بکریوں (کی افزائش) کا کام ہے اور یہ نبیوں والا کام ہے''۔[مسلم]

حضرت زکریاؑ اور حضرت داؤدؑ کا صنعت اور تجارت میں بڑا اونچا مقام ہے، حضرت داؤدؑ کے بارے میں یہ بات مشہور ومعروف ہے کہ: ''حضرت داؤدؑ ہر روز ایک زرہ بناتے اور اس کو چھ ہزار درہم میں فروخت کرتے تھے، اس چھ ہزار کو اس طرح صرف کرتے کہ دو ہزار تو اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے اور چار ہزار درہم بنی اسرائیل کے فقراء ومساکین میں بطور صدقہ و خیرات تقسیم کردیتے''۔

سرورعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعثت سے پہلے شرکت پر تجارت کی ہے، چنانچہ حضرت سائبؓ نے ایک مرتبہ آپؐ کے سامنے یہ بیان کیا کہ: ''آپؐ نے جاہلیت میں نبوت سے پہلے میرے ساتھ تجارت میں شرکت کی ہے اور آپؐ بہترین شریک تھے''۔[ابوداؤد] اسی طرح آپؐ نے نبوت سے پہلے حضرت خدیجہؓ کے ساتھ مضاربت یا شرکت پر تجارت کی ہے۔[ابن سعد] نیز آپؐ نے اجرت پر بکریاں چرائی ہیں، ایک حدیث میں آپؐ نے وضاحت فرمائی ہے کہ: ''میں بھی اہل مکہ کی بکریاں اجرت پر چرایا کرتا تھا''۔[بخاری] اور حضرت موسیٰؑ کی مزدوری کا ذکر خیر قرآن مجید میں مذکور ہے، یقیناً حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے دور کے حالات اور ضروریات کے مطابق بعضوں نے صنعت وحرفت کو، بعضوں نے مویشی پروری کو اور بعضوں نے تجارت وکاروبار کو اختیار فرمایا اور اس طرح ان حضرات نے ہم اہل ایمان کے سامنے اپنا قابل اتباع نمونہ پیش فرمایا اور صنعت، اجرت اور تجارت کی اہمیت اور عظمت بیان فرمائی، خاص طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کی بڑی ترغیب فرمائی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ تجارت بہتر اور بابرکت پیشوں میں ہے، چنانچہ آپؐ نے سب سے بہترین اور باعث برکت ذریعہ معاش کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: ''انسان کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر بیع مبرور (شریعت کے اصول وآداب کے مطابق تجارت وکاروبار) سب سے بہتر اور بابرکت ذریعہ ہیں''۔[احمد] نیز اچھی نیت کی بنا پر دنیا و آخرت میں اس کے بڑے فائدے ہیں اور صداقت، امانت اور دیانت پر مبنی تجارت قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کے حصول کا ذریعہ ہے اور ان اوصاف سے متصف تاجر کو قیامت کے دن، حضرات انبیاءؑ، صدیقینؓ اور شہداء کرامؓ کی رفاقت ومعیت کی بشارت آپؐ نے دی ہے کہ: ''راست باز اور امانت دار تاجر، حضرات انبیاءؑ، صدیقینؓ اور شہداء کرامؓ کے ساتھ ہوگا''۔[ترمذی] ایک دوسری حدیث میں ہے کہ سچ بولنے والا تاجر قیامت کے دن عرش الٰہی کے سایہ تلے ہوگا، آپؐ نے فرمایا کہ: ''سچائی کے ساتھ تجارت کرنے والا قیامت کے دن عرش کے سایہ میں جگہ پائے گا''۔[ترغیب] اسی طرح سچ بولنے والے تاجر کو سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دی گئی ہے، آپ کا ارشاد عالی ہے کہ: ''جنت جانے والوں میں سب سے پہلا شخص سچ بولنے والا تاجر ہے''۔[کنز العمال] زبان وعمل کے سچے تاجر کی جنت میں نرالی شان ہوگی، سچ بولنے والا تاجر بلا روک ٹوک جنت جائے گا، آپؐ نے فرمایا ہے کہ: ''سچائی کے ساتھ تجارت کرنے والے کو جنت جانے سے روکا نہیں جائے گا''۔[اتحاف السادۃ]

(جاری)

☆☆☆☆☆

روداد چمن

قرآن فہمی کے لیے قلب سلیم کی ضرورت

حضرت ناظم ندوۃ العلماء کی تازہ تصنیف کی رسم اجراء

جاوید اختر ندوی

"یہ مسلمانوں کی خوش بختی ہے کہ قرآن مجید کی شکل میں وحی کی زبان محفوظ ہے، دنیا کی کسی دوسری قوم کو یہ امتیاز حاصل نہیں ہے، قرآن مجید جب تک موجود ہے، وہ دین اسلام اور عربی زبان کی بقاء وحفاظت کا ضامن ہے، دنیا کی تمام زبانیں تبدیلی کے مرحلے سے گزر چکی ہیں لیکن صرف قرآن مجید کی برکت ہے کہ عربی زبان ایسی تبدیلیوں سے محفوظ ہے۔

مثال کے طور پر مشہور انگریز ناول نگار اور ادیب شیکسپیئر کی جو زبان ہے، آج کی انگریزی اس سے بہت مختلف ہے، اور قرآن مجید جس زبان میں نازل کیا گیا وہ زبان آج بھی اس طرح محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔

قرآن مجید ایک معجز آسمانی کتاب ہے اور اس کی زبان بھی اعجاز بیانی سے پر ہے، عربی میں بات چیت کرنے کے انداز سے ہی انسان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ قرآن کی عربی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ دشمنان اسلام نے مسلمانوں کو اس صحیفۂ ہدایت سے ہر ممکن کاٹنے کی کوشش کی اور اس کے لیے تمام حربے استعمال کر لیے یہاں تک کہ "الفرقان" کے نام سے نیا قرآن گڑھ لیا اور یہ تو آج کی بات ہے اس سے قبل خود اہل زبان عربوں نے بھی ایسی کوشش کی مگر وہ ایک آیت بھی ایسی پیش نہ کر سکے، اور اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور قیامت تک کامیاب بھی نہیں ہو سکتے کہ اس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ رب العالمین نے لے لی ہے اور اعلان عام کر دیا ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾۔

علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ اگر مسلمانوں کو اپنے اسلام پر باقی رہنا ہے تو قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی چیز ان کی حفاظت نہیں کر سکتی، اس لیے ہر زمانہ میں اس کی ضرورت رہی ہے کہ قرآن مجید کو زندہ کتاب، بولتا ہوا مرقع اور آئینہ کی شکل میں پیش کیا جائے تاکہ افراد اور اقوام اس میں اپنی صورتیں دیکھ سکیں۔

قرآن فہمی کے لیے صرف عربی زبان جاننا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے فکر سلیم اور قلب سلیم کی ضرورت ہے، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کا یہ امتیاز ہے کہ ایک جانب وہ عربی زبان و ادب میں کامل اختصاص و دستگاہ رکھتے ہیں تو دوسری جانب وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور دیگر علماء ربانی کی صحبت میں رہ کر قلب سلیم اور فکر سلیم کے بھی حامل ہیں، اس لیے وہ بجا طور پر قرآن مجید کے مبارک موضوع پر ایسی کتاب پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جس سے قرآن فہمی بھی ہو اور قرآن مجید کے خلاف کی جانے والی سازشوں کا حکیمانہ جواب بھی ملے"۔

۹/دسمبر ۲۰۱۲ء/۲۴/محرم الحرام ۱۴۳۴ھ اتوار کو مہمان خانہ ندوۃ العلماء کے لان میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی تازہ کتاب "قرآن مجید انسانی زندگی کا رہبر کامل" کی تقریب رسم اجراء کی صدارت کرتے ہوئے ڈربن یونیورسٹی، جنوبی افریقہ کے پروفیسر، علامہ سید سلیمان ندویؒ کے فرزند ارجمند ڈاکٹر سید سلمان ندوی نے اپنے خطاب میں مذکورہ خیالات کا اظہار کیا۔

اس موقع پر صاحب تصنیف مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے کلام الٰہی کی صفات وخصوصیات کتاب کی وجہ تالیف کے سلسلہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو جو مقام بلند عطا کیا ہے اور اس کے نزول کا جو بنیادی مقصد ہے، اس سے بہت سے افراد ناواقف ہیں، اس کی ایک وجہ ہے کہ لوگ قرآن کریم میں غور وفکر نہیں کرتے، قرآن میں مختلف مقامات پر اس کے نزول کے مقاصد کو بیان کیا گیا ہے اور فکر وتدبر کی دعوت دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے قرآن مجید کو نازل کیا ہے، اللہ تعالیٰ چونکہ انسان کا خالق ہے اور اس کی نفسیات سے پوری طرح واقف ہے، اس لیے اس نے اپنی نازل کردہ کتاب ہدایت قرآن مجید میں وہ اسلوب اختیار کیا ہے جس سے بات دل میں اتر جائے، اور مخاطب کے دل ودماغ کو قرآن مجید میں اسی کے مطابق خطاب کیا گیا ہے جس کی بنا پر بات مخاطب کے دل ودماغ کے ساتھ ساتھ دل پر بھی اثر انداز ہوتی ہے"۔

حضرت والا نے مزید فرمایا کہ: "قرآن مجید آسمان سے اترنے والا خالق کا کلام ہے اور مخلوقات کی سطح سے انتہائی بلند اور غیر معمولی اثر وطاقت رکھنے والا کلام ہے اور انسان کی طاقت برداشت انتہائی کم ہے، اس لیے اس کو آسمانی اور نورانی مخلوق فرشتوں کے ذریعہ انسان کامل کی زبان میں اتار کر قابل برداشت بنایا۔ اس کی مثال بجلی کے تار کی سی ہے کہ اگر کوئی بغیر کسی ذریعہ اور سہارے کے بجلی کے تار کو چھو لے تو وہ ہلاک ہو جائے گا مگر اس کے اوپر کوئی چیز لپٹی ہو تو اس کو چھونا آسان ہو جاتا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا ہے کہ زمین کو آسمان سے جوڑنے والی چار چیزیں ہیں، ان میں ایک یہی قرآن مجید ہے"۔

مولانا مدظلہ نے کہا کہ: "قرآن مجید کی تلاوت باعث ثواب ہے مگر وہ محض تلاوت کے لیے نہیں ہے، وہ اس لیے ہے کہ لوگ اس کو پڑھیں اور اپنے اعمال کا محاسبہ کریں، اس آئینہ میں اپنی صورت دیکھیں، اس کے خزانہ عامرہ سے مالا مال ہوں اور اس بحر زخار میں غواصی کر کے اس سے آبدار اور بیش بہا موتیاں نکالیں"۔

اسی کے ساتھ حضرت والاؒ نے یہ بھی کہا کہ: "اس کتاب معجز کو سمجھنے کے لیے عربی زبان اور قرآن میں مستعمل الفاظ سے مکمل آگہی ضروری ہے، امید ہے کہ یہ کتاب کلام الٰہی سے استفادہ میں معاون بنے گی، اللہ تعالیٰ ہماری کوشش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق سے نوازے"۔

اس تقریب رسم اجراء کی نظامت کرتے ہوئے مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ و آدابہا نے تحریک ندوۃ العلماء، اس کے نصاب درس میں عربی زبان کی اہمیت اور اس موضوع پر اس کے نامور فرزندوں کی قابل رشک خدمات اور صاحب کتاب کی دینی، علمی وفکری سرگذشت اور کتاب کی خصوصیات پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ:

ندوۃ العلماء نے روز اول سے عربی زبان کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے اولیت وفوقیت دی اور قرآن وحدیث کو اصل ماخذ ومرجع قرار دیا اور قرآن کریم کو براہ راست بغیر کسی ترجمہ کے پڑھانا شروع کیا اور اس کے بحر ناپیدا کنار میں غواصی کو مقصد اولین قرار دیا اس امتیاز وخصوصیت کو اس کے فضلاء نے ہر دور میں باقی رکھا ہے اور قرآنیات کے موضوع پر وقیع کاوشیں پیش کی ہیں اور اس کے بیش بہا خزانوں سے دوسروں کو فائدہ پہونچایا ہے، اس کی واضح مثال علامہ سید سلیمان ندویؒ اور عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ہیں۔ فہم قرآن میں سید صاحبؒ کا پایہ نہایت بلند تھا اس لیے کہ عربی زبان وادب، بلاغت اور اعجاز قرآنی کا مطالعہ ان کا بہت وسیع وعمیق تھا، پرانے چراغ [ص/۲۰۸، ۲۰۹] میں حضرت مولاناؒ لکھتے ہیں:

"عام طور پر لوگ سید صاحب کو مورخ یا ادیب کی حیثیت سے جانتے ہیں خصوصاً علماء کے قدیم حلقہ میں ان کا تعارف اسی حیثیت سے ہے، لیکن مجھے سید صاحبؒ کی علمی صحبتوں اور ذاتی استفادہ سے معلوم ہوا کہ ان کا امتیازی مضمون قرآن مجید اور علم کلام ہے، میں نے معاصر علماء میں کسی شخص کا مطالعہ قرآن مجید اور علوم قرآن کا اتنا وسیع اور گہرا نہیں پایا، علم کلام اور عقائد پر سید صاحبؒ کی نظر بہت عمیق ووسیع تھی اور ان کو علم کلام کو سلف کے اصول اور کتاب وسنت کی روشنی میں عصر حاضر کے ذہن اور روح کے مطابق پیش کرنے کا خاص ملکہ تھا، اور یہ غالباً مولانا حمید الدین فراہیؒ کی طویل صحبت، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی کتابوں کے مطالعہ اور سیرت النبیؐ کی تالیف کے سلسلہ میں طویل غور وفکر کا نتیجہ تھا"۔

اور اپنے متعلق خود حضرت مولاناؒ نے لکھا ہے کہ:

"میں قرآن مجید کا ادنیٰ طالب علم ہوں، جن لوگوں نے میری ناچیز تحریریں اور تصنیفات دیکھی ہیں ان کو اندازہ ہوگا کہ میری تحریروں کا تانا بانا قرآن مجید ہی سے تیار ہوتا ہے، میں نے سب سے زیادہ قرآن مجید سے مدد لی ہے اور پھر تاریخ سے اور میں تاریخ کو قرآن مجید ہی کی تفسیر سمجھتا ہوں"۔ [قرآنی افادات: ص/۳۱، ۳۲]

حضرت مولاناؒ "میری محسن کتابیں" [ص/۲۰۸، ۲۰۹] کا تذکرہ کرتے ہوئے اخیر میں لکھتے ہیں:

"میرے قرآن مجید کے مطالعے میں مولانا احمد علی صاحبؒ کے مجلس درس کا فیض اور برکت شامل ہے، درسی اور متداول اور بعض غیر متداول ضخیم تفسیریں، بعض لفظ بہ لفظ دیکھیں، لیکن اصل فائدہ متن قرآن کے سادہ اور بار بار کے پڑھنے سے ہوا، اس سلسلے میں اس کا اظہار ضروری ہے کہ قرآن مجید سے اپنا حصہ لینے میں، ضروری علمی ولسانی واقفیت کے بعد، دو چیزیں سب سے زیادہ مفید ثابت ہوتی ہیں:

ایک علوم نبوت ومزاج نبوت سے مناسبت رکھنے والے اشخاص کی صحبت، جن کی معاشرت و زندگی "کان خلقه القرآن" کا پرتو ہو، اور جنھوں نے "أنا القرآن الناطق" (حضرت علیؓ کا مقولہ) کہنے والے کی قلبی وذوقی وراثت میں حصہ پایا ہو، ان حضرات کے علوم کی تازگی وشگفتگی، بے آمیزی اور نکھار، وسعت وگہرائی سے قرآن کے الفاظ کی وسعت وعمق کا ایک قیاسی اندازہ ہوتا ہے، کئی الفاظ جو "لسان العرب" اور "مفردات غریب القرآن" سے اور کئی آیات جو زمخشری کی ادبی تفسیر "کشاف"، امام رازی کی عقلی تفسیر "فتوح الغیب" اور ابن کثیر کی نقلی تفسیر سے حل نہیں ہوتیں، وہاں باتوں میں حل ہو جاتی ہیں، الفاظ ومعانی میں نئی وسعت اور قوت نظر آتی ہے، جو پہلے نظر سے اوجھل تھی۔

دوسری چیز یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن راستوں پر چلے ہیں، ان پر چلنے سے قرآن کھلتا ہے، انبیاء علیہم السلام کی جو کیفیات بیان کی گئی ہیں، ان کا احساس ہوتا ہے، قوموں نے اپنے پیغمبروں کو جو جواب دیے ہیں کان وہی آوازیں سنتے ہیں، اور آنکھیں وہی منظر دیکھتی ہیں، جو اشکالات اور شبہات، علم کلام کی کتابوں نے اور کتابی مطالعے نے فرضی طریقے پر پیدا کر دیے ہیں، وہ وہاں بے حقیقت ہو جاتے ہیں، قرآن مجید کے سمجھنے کے یہ دو طبعی طریقے ہیں۔

سنا ہے کہ جب قرآن مجید میں آدمی کا جی لگنے لگتا ہے، تو انسانی تصنیفات سے جی گھبرانے لگتا ہے، انسانی کتابیں، انسانی تحریریں، انسانی تقریریں پست اور بے مغز معلوم ہونے لگتی ہیں، ادباء، حکماء اور مفکرین کی باتیں طفلانہ اور عامیانہ نظر آتی ہیں، جن میں کوئی گہرائی اور پختگی نہیں معلوم ہوتی، سفید کاغذ پر چھپے ہوئے سیاہ نقش ونگار، کاغذی پھول معلوم ہوتے ہیں، جن میں رنگ ہے خوشبو نہیں، انسان کا علم اتھلا اور خالی معلوم ہونے لگتا ہے، اور اس کا دیر تک پڑھنا ذوق اور روح پر بار ہوتا ہے، ہر وہ چیز جو علوم نبوت

کے سرچشمے نہ آئی ہو، مشتبہ اور الفاظ کا طلسم معلوم ہوتا ہے، تسکین صرف وحی ونبوت کے راستے سے آئے ہوئے علم سے ہوتی ہے، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا تک پہنچایا، اور جو وحی کی زبان میں قرآن مجید میں اور عربی زبان میں حدیث میں محفوظ ہے۔

واویم ترا از منزل مقصود نشاں
گر ما نہ رسیدیم شاید تو رسی"

ناظم جلسہ نے کہا کہ یہ کتاب ان ہی خصوصیات کی حامل ہے، اور فضلائے ندوہ کی اسی عظیم ونازک روایت کی امین وپاسبان، کتاب کی اہمیت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے صاحب کتاب ایک طرف عربی زبان وادب کے سرخیل ہیں، انہوں نے سیرت وتاریخ، عربی زبان وادب اور جغرافیہ جزیرۃ العرب پر یادگار کتابیں تصنیف کی ہیں اور دوسری طرف قرآنی صفات کے حامل ربانی علماء کی مدتوں صحبت وفیض اٹھائی ہے، اس طرح یہ کتاب صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ ہر انسان کی زندگی کے لیے رہنما اصول پیش کرتی ہے۔

اس سے قبل سیرت پاک کے موضوع پر "رہبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے کتاب آئی جس کی بڑی پذیرائی ہوئی، سیرت پاک کے بارے میں غلط فہمیاں دور ہوئیں اور کئی زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہوئے، ان شاء اللہ اس کتاب کے بھی مختلف زبانوں میں ترجمے ہوں گے تاکہ ہر سطح اور ہر طبقہ کے لوگ فائدہ اٹھاسکیں۔

اس تقریب رسم اجراء میں دارالعلوم کے ذمہ داران، اساتذہ، عملہ اور طلباء کے علاوہ شہر کے معززین اور اہل علم وذوق نے بڑی تعداد میں شرکت کی، تقریب کا آغاز محمد قمر الزماں کی تلاوت سے ہوا اور محمد غفران نے علامہ اقبالؒ کا پرسوز کلام پیش کیا، اختتام حضرت ناظم ندوۃ العلماء کی دعا پر ہوا۔

☆☆☆☆☆

شجاعت کسے کہتے ہیں؟

مصیبت اور خطرہ کے وقت انسان کا نہ گھبرانا اور ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنے کا نام شجاعت ہے، صبر بھی شجاعت ہی کی ایک قسم ہے، اس لیے کہ انسان کسی مصیبت میں گھر کر بھی حواس باختہ نہ ہو، بلکہ اسے پوری قوت کے ساتھ برداشت کرے تو یہ بھی اس کی بہادری اور شجاعت ہے، آدمی کے اندر جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی ذات پر یقین ہوگا، اسی قدر اس کے اندر صبر واستقلال کا مادہ ہوگا، اس لیے شجاعت بھی مرد مؤمن کی دوسری پسندیدہ صفات کی طرح اس کی صفت ہے۔

شجاعت کا مطلب یہی نہیں کہ آدمی ہر وقت تلوار لے کر کھڑا رہے، اور بغیر سمجھے بوجھے اپنی بہادری جتانے لگے اور کسی خطرہ سے خائف نہ ہو، آدمی کی فطرت ہے کہ کوئی ڈر کا موقع ہوتا ہے تو اس کو ڈر لگتا ہے، کوئی خطرہ سامنے آتا ہے تو اس کا اثر طبیعت پر ضرورت ہوتا ہے، ایسا ہونا شجاعت کے خلاف نہیں، شجاعت یہ ہے کہ خطرہ کو خطرہ سمجھتے ہوئے اس کو جھیل جانا، تکلیف کو تکلیف سمجھ کر اس پر صبر کرنا، کسی نقصان پر یا کسی حادثے کی شدت کو خاموشی سے برداشت کرلینا، کوئی کتنا ہی زبردست دشمن اور مخالف سامنے پڑجائے، لیکن اس کے مقابلے سے نہ گھبرانا اور جم کر اس کو شکست دینے کی تدبیر کرنا اور اس کے وار کو مردانگی اور بہادری کے ساتھ روک دینا، اسی کا نام شجاعت ہے، خدا چاہتا ہے کہ ایک مسلمان کے اندر بہادری کی یہ صفت زیادہ ہوتا کہ وہ ایک طرف تو خدا کی راہ میں پیش آنے والے ہر خطرے کو برداشت کرسکے اور دوسری طرف دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے جن مشکلات سے اسے دوچار ہونا پڑے، وہ ان کے مقابلے سے ہراساں نہ ہو، اس طرح ان مشکلات کے ہجوم سے نکل آئے کہ دوسرے لوگ اس کے طرز عمل کو اپنے لیے نمونہ بنالیں، دراصل شجاعت جو اسلام ایک مسلمان کے اندر پیدا کرتا ہے وہ حق بات پر قائم رہنا ہے، جو چیز حق اور صحیح ہو اس کو ماننا اور اس کا اظہار کرنا خواہ لوگ اس کے کتنے ہی مخالف کیوں نہ ہوں اور زمانہ کی رفتار سے مختلف ہی ہو، لیکن ایسے سخت اور نازک ماحول میں اعلان حق کی جرأت ہی شجاعت کہلاتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "سب سے بلند جہاد اس شخص کا ہے، جس نے ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہا"۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ اور بزرگوں کی تاریخ اس سے بھری پڑی ہے کہ انھوں نے کبھی حق بات کہنے میں کسی مصلحت کا خیال نہیں کیا، کسی حکومت کی پروا نہیں کی، ہر موقع پر حق کا اظہار کیا اور بے خوفی کے ساتھ ڈٹے رہے، ان پر کتنے ہی مصائب آئے مگر انھوں نے ان کا بڑی حکمت اور ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کیا۔

☆☆☆☆☆

تعارف وتبصرہ

رسید کتب

محمود حسن حسنی ندوی

☆نام کتاب: **مختصر تاریخ ثقافت اسلامی**

مصنف: مولانا سید محمد واضح رشید ندوی (معتمد تعلیم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

مترجم ومحشی: ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

ناشر: علامہ ابوالحسن علی ندوی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر فاؤنڈیشن، جمال پور علی گڑھ۔

"تاریخ الثقافۃ الاسلامیہ" کے نام سے مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء کا درس دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہوتا ہے، ان محاضرات کا مجموعہ طلبہ کی سہولت کے لیے "تاریخ الثقافۃ الاسلامیہ" کے نام سے دارالرشید، لکھنؤ سے شائع ہوا، اس کو اردو قالب میں ڈھالنے اور تعلیقات وحواشی سے مزین کرنے کا کام ایک ندوی فاضل اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی ڈاکٹر طارق ندوی اور بڑے اچھے انداز اور سلیقے سے کیا، ۲۸۰/صفحات میں یہ کتاب منظر عام آچکی ہے، علی گڑھ میں دانشوروں اور اسکالرز اور علماء کی موجودگی میں اس کا اجراء استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نے کیا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کا اس پر مقدمہ ہے، اور مصنف کا بھی پیش لفظ ہے، اس کتاب میں اسلامی علوم وفنون کی عہد بہ عہد اجمالی تاریخ سامنے آگئی ہے۔

ضرورت ہے کہ یہ کتاب دیگر دینی مدارس اور عصری جامعات میں داخل نصاب کی جائے، کیوں کہ بقول مصنف: "مسلم نوجوان آج اسلامی تمدن کے شاندار ماضی سے بالکل ناواقف ہیں"۔ مولانا ڈاکٹر عمیر الصدیق ندوی دریابادی یکے از مرتبین ماہنامہ "معارف" دارالمصنفین، اعظم گڈھ کا حرف تقدیم بڑا فاضلانہ ہے، اور انہوں نے اس کتاب کو علامہ عبدالحی حسنی کی کتاب "الثقافہ الاسلامیہ فی الھند" کی توسیع وتکمیل قرار دیا ہے، اور محقق کی تحقیق وتعلیق کو سراہتے ہوئے ان کے ترجمہ پر انہیں داد دی ہے۔

قیمت ۱۸۰/روپے درج ہے۔

☆نام کتاب: **آزادی ہند کی جدوجہد میں مسلمانوں کا حصہ**

تالیف: ڈاکٹر عبدالمنعم النمر

مترجم: مولانا محمد علاء الدین ندوی

ناشر: مجلس گیارہ ستارے، انڈیا

ملنے کا پتہ: مکتبہ ندویہ، احاطہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۳۶۸ صفحات کی یہ کتاب ۲۵۰/روپے کی ہے جو سراج الدین لطیفی صاحب کے زیر اہتمام اور مولوی محمد وقار الدین لطیفی ندوی ومولوی محمد شفاء الدین ندوی کی محنت وتوجہ سے شائع ہوئی ہے۔

مولانا علاء الدین ندوی ندوہ اور دیوبند کے فاضل اور ایک اچھے صاحب قلم تھے، ترجمہ میں مہارت تھی اور اساتذہ کا ان کو اعتماد رہا تھا، اور مصنف کتاب ہندوستان کی تحریکات، شخصیات، ملوک وسلاطین، اور یہاں کی خاص طور پر مسلم تاریخ سے بڑی دلچسپی اور واقفیت رکھتے تھے، ہندوستان کی مسلم حکومت کی تاریخ پر "تاریخ المسلمین فی الھند" کے نام سے عربی زبان میں بڑی محققانہ کتاب لکھی، مولانا ابوالکلام آزادؒ پر بھی بڑی تاریخی سوانحی کتاب لکھی، اس کا بھی ترجمہ اردو میں ہوچکا ہے اور وہ کتاب شائع بھی ہوچکی ہے۔

یہ کتاب "کفاح المسلمین فی تحریر الھند" کا ترجمہ ہے، ترجمہ میں مسلمانوں کا "حصہ" ذکر ہے لیکن "کردار" میں معنویت زیادہ ہے، افسوس کہ اب نہ مصنف حیات ہیں نہ مترجم، کاش ان کی حیات میں یہ کتاب منظر عام پر آجاتی۔

ڈاکٹر عبدالمنعم النمر دارالعلوم دیوبند میں بطور استاد کے کئی سال رہے، اور ان کو ندوۃ العلماء سے گہرا تعلق تھا، اور ندوہ کئی بار آئے بھی، مصر میں وزیر اوقاف بھی رہے، بڑی معتبر شخصیت تھی، کتاب بھی معتبر، اس کے مآخذ ومصادر بھی مستند ہیں۔

☆نام کتاب: **تحفۃ الحفاظ فی الآیات المتشابہات**

مرتب: مولانا شکیل احمد مظاہری

سو صفحات کی یہ کتاب قرآن پاک کی مشابہ اور متشابہ آیات کا مفید مجموعہ ہے، مولانا سید ارشد مدنی کی تقریظ کے ساتھ ہے، انہوں نے واضح کیا ہے کہ اس سے حفاظ کو متشابہات سے مانوس ہونے میں مدد ملے گی۔ قیمت درج نہیں۔

☆نام کتاب: **لہو لہان شام**

تالیف: مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری

ناشر: بی اماں فاؤنڈیشن، گونڈہ، یوپی

۲۴ صفحات کا یہ کتابچہ، شام کی وہ قلمی تصویر پیش کرتا ہے جو دیکھنے سے تعلق نہیں رکھتی، پڑھنے اور غور کرنے سے تعلق رکھتی ہے، یہ عوام کی بغاوت ہے، یا حکمرانوں کی مسلم کشی اور اسلام کشی اور اسلام دشمنی، بشار ظالم کو کس کی پشت پناہی حاصل ہے اور وہ دراصل کیا ہے؟ ان سب سوالوں کے جوابات اور مستقبل کے اندیشہ اور امکانات ظاہر کیے گئے ہیں، اور صحیح فکر کی دعوت دی ہے، یہ کتابچہ برائے تقسیم ہے۔

نام کتاب: **محمد منصور الزماں صدیقی**

تالیف: مولانا عبد القیوم حقانی

ناشر: القاسم اکاڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد نوشہرہ، پاکستان

۳۶۸ صفحات کی یہ کتاب معروف عالم، مصنف وصحافی مولانا عبد القیوم حقانی کی ہے اور اس شخصیت سے متعلق ہے جس نے علمی، دینی، قومی، ملی، اصلاحی، تبلیغی، ادبی، اور سماجی خدمات کے حوالہ سے تنہا ایک پہچان بنائی، اور صدیقی ٹرسٹ کراچی میں قائم کیا اور اس کے ذریعہ انسانی خدمت اور اصلاحی واشاعتی کام اس بڑے پیمانے پر کیے جس کی نظیر کم پائی جاتی ہے، یہ ان کی مکمل سوانح حیات ہے، قیمت درج نہیں ہے، جامعہ ابوہریرہ ایک ماہنامہ ''القاسم'' نکالتا ہے اور اس کا اشاعتی ادارہ ''القاسم اکاڈمی'' ہے جہاں سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔

☆نام کتاب: **قرآن کا نظریۂ سیاست**

تالیف: سلمان عبد الصمد ندوی

ناشر: جامعہ ابوبکر صدیق برگدتلہ، کاکوری، لکھنؤ

۱۱۲ صفحات کی یہ کتاب ۶۰ر روپے کی ہے، ممبر پارلیمنٹ مولانا اسرار الحق قاسمی کے مقدمہ نے کتاب کی معنوی قیمت بڑھائی ہے اور لکھا ہے کہ: ''یقیناً یہ کتاب سیاست کے موضوع پر ایک معلوماتی کتاب ہے''۔ مولانا اسرار الحق ایک عالم اور معروف سیاستداں ہیں، ان کا یہ اعتراف کتاب کے لیے اچھی شہادت ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ
کی خود نوشت سوانح حیات
کاروان زندگی
ایک معلم، مصنف، داعی اور رہنما کی سرگذشت حیات
جس میں ذاتی زندگی کے مشاہدات وتجربات، احساسات وتاثرات اور ہندوستان اور عالم اسلام کے واقعات وحوادث، تحریکات وشخصیات کے مطالعہ کا ماحصل اس طرح گھل مل گیا ہے کہ وہ ایک دلچسپ وسبق آموز آپ بیتی اور ایک مؤرخانہ وحقیقت پسند جگ بیتی بن گئی ہے اور چودھویں صدی ہجری، بیسویں صدی عیسوی کی تاریخ وسرگذشت کا ایک اہم باب محفوظ ہوگیا۔
☆ایک تاریخی دستاویز ☆ادبی مرقع ☆دعوت فکر وعمل
قیمت کاروان زندگی حصہ اول: 200
قیمت کاروان زندگی حصہ دوم: 200
قیمت کاروان زندگی حصہ سوم: 160
قیمت کاروان زندگی حصہ چہارم: 190
قیمت کاروان زندگی حصہ پنجم: 160
قیمت کاروان زندگی حصہ ششم: 170
قیمت کاروان زندگی حصہ ہفتم (مع ضمیمہ): 175
Mob: 9415912042 - 9559804332
طلباء کے لیے خصوصی رعایت
مکتبۂ اسلام، رؤف مارکیٹ ۱۴۱ گوئن روڈ، امین آباد، لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

جہان مسلم

فن لینڈ میں اسلام اور مسلمان

عربی سے ترجمہ: وصی احمد

تعارف اور محل وقوع

فن لینڈ، شمالی یورپ میں جزیرہ نمائے اسکینڈی نیویا (Scandinavin Peninsula) کے مشرقی سرے پر ایک غیر جانبدار ملک ہے، یہ عرصہ دراز تک روس کے زیر تسلط رہا ہے، اور اب دوسری عالمی جنگ کے بعد مکمل طور پر آزاد ہے، فن لینڈ کا کل رقبہ تین لاکھ تین ہزار سات سو بتیس مربع کلو میٹر ہے، اس کی آبادی پچاس لاکھ ہے، ہیلسنکی (Helsinki) اس کا دار الحکومت ہے، دار الحکومت کی آبادی تقریباً پچاس ہزار نفوس پر مشتمل ہے، ٹامپری (Tampere) ٹورکو (Tuorku) وغیرہ اس کے مشہور شہر ہیں، فن لینڈ کے شمال میں ناروے (Norway)، مشرق میں سابق سویت یونین، مغرب میں سویڈن (Sweden)، خلیج بوثنیا (The Gulf Of Bothnia) اور جنوب میں بحیرۂ بالٹک (Baltic Sea) ہے۔

آب وہوا اور ملکی حالات

اس ملک میں ٹھنڈک بہت سخت پڑتی ہے، اور درجہ حرارت گھٹ کر صفر تک آجاتا ہے، گرمی کا موسم سخت، مرطوب اور مختصر رہتا ہے، اور مئی سے جولائی تک سورج آدھی رات کو طلوع ہوتا ہے، یہاں کا تقریباً دس فی صد حصہ پانی مشتمل ہے، بے شمار جھیلیں ملک کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی ہیں، اس ملک کے ساحل پر تقریباً تیس ہزار جزیرے ہیں، صنعتی ترقی میں ملک یورپ کے دوسرے ملکوں کی پوری طرح برابری کر رہا ہے، یہاں مخلوط معیشت پر عمل ہو رہا ہے، اور باشندوں کے لیے سہولیات بہت زیادہ ہیں، تعلیم تقریباً مکمل طور پر مفت ہے، صحت اور علاج کا نظام بھی آسان ہے۔

آبادی

فن لینڈ کے باشندے تین قسم میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں، ایک الاب ہیں، ان کی تعداد مختصر ہے، اور یہ ملک کے شمالی حصہ میں آباد ہیں، دوسری قسم ملک کے اصلی باشندوں کی ہے، ان کی تعداد اکیانوے فیصد ہے، تیسری قسم سویڈن کے باشندوں کی ہے، یہ ملک کے جنوبی اور مغربی حصہ میں آباد ہیں اور معدودے چند ترک مہاجرین کی تعداد ہے، جو اس ملک میں اسلام کی دعوت اور ترویج واشاعت کے اصل محرک ہیں۔

فن لینڈ میں اسلام کی آمد

۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء کو فن لینڈ میں کچھ خوش نصیب مسلم تاتاری مہاجرین کے ذریعہ اسلام پہونچا، جو بغرض تجارت ومعیشت یہاں آئے اور یہیں آباد ہوگئے، ان میں سے بیشتر قازان خطہ سے تعلق رکھتے تھے، ۱۳۲۶ھ میں انہوں نے ''المعیشۃ الاسلامیۃ'' کے زیر انتظام ایک اسلامی جماعت کی داغ بیل ڈالی، فن لینڈ کے روس سے مکمل آزادی اور خود مختاری حاصل کرلینے کے بعد جب مسلمانوں نے یہیں رہنے کو ترجیح دی، تو اس کے بعد بے شمار تجار، صنعت کار اور مختلف پیشوں سے وابستہ مسلمان ہجرت کرکے یہاں آئے اور دھیرے دھیرے اپنی گرفت مضبوط کرتے چلے گئے، انہوں نے اپنے دینی امور و مصالح کی دیکھ بھال کے لیے سید ولی احمد اور سید عمر عبد الرحیم کی سرپرستی میں ایک اسلامک بورڈ قائم کیا اور حکومت سے اسلام کو ملک کے مذہب کے طور پر تسلیم کیے جانے کا مطالبہ کیا، بالآخر ۱۳۴۴ھ میں حکومت نے اسے ملکی مذہب کے طور پر قبول کرلیا، ابتداء میں یہاں مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی، حتیٰ کہ چودھویں صدی ہجری کے نصف اوائل میں ہزار سے بھی کم تھی، لیکن دوسری عالمی جنگ کے بعد ان کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا، ۱۳۹۱ھ تک ان کی تعداد دو ہزار تک پہونچ گئی تھی اور اب تین ہزار سے متجاوز ہے۔

مسلم خطے

اس ملک کے مختلف خطوں میں مسلمان پھیلتے جارہے ہیں، ان کی کثیر تعداد، ہلسنکی، ٹامپری، برومیاہ، ٹورکو، کوتا، اور ہارفینا میں آباد ہے، ان میں بیشتر تاتار، یوگوسلاویہ اور معدودے پاکستان کے باشندے مسلکاً حنفی اور متوسط طبقے کے ہیں، یہ اپنی قلت کے باوجود دین سے منسلک ہیں اور اسلامی شعار واقدار کا خوب خوب احترام کرتے ہیں، انہیں اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے ایسے ماہر علماء کی ضرورت ہے، جو ترکی زبان پر دسترس رکھتے ہوں، یہ لوگ وقتاً فوقتاً اپنے اور اسلامی ممالک کے مابین مستحکم تعلقات کے لیے حکومت پر زور دیتے رہتے ہیں۔

اسلامی تنظیمیں

یہاں کے مسلمان نے سب سے پہلے ۱۹۵۲ء میں ایک اسلامی تنظیم قائم کی، اس کے بعد ایک اسلامک سینٹر اور نوجوانوں کے لیے انجمن قائم ہوئی، یہ سینٹر مسجد، بچوں کے اسکول، اجتماع ہال، پروگرام ہال، دارالمطالعہ اور امام صاحب کے کوارٹر پر مشتمل ہے، ٹامپری، ہارفینا، ٹورکو، کاناو غیرہ شہروں میں بھی کئی اسلامک سینٹر ہیں، یہاں مسلمانوں کی دو باا ثر تنظیم ہیں، ایک ہیلنسکی میں اور ایک ٹامپری میں، یہ دونوں آپس میں امداد و تعاون بھی کرتی ہیں، لیکن ہیلنسکی کی تنظیم کا دائرہ عمل کافی وسیع ہے، اسی طرح "الجمعیة الترکیة الفنلندیة" نام سے ایک ثقافتی تنظیم ہے، جس کی مختلف شاخیں ہی، ہیلنسکی میں مسلمانوں کا ایک قبرستان ہے اور دوسرا ٹورکو شہر میں۔

مساجد

دارالحکومت ہیلنسکی میں "الجمعیة الاسلامیہ" کے زیر انتظام ایک مسجد اور ایک اسلامک سینٹر ہے اور ایک جدید اسلامک سینٹر کے قیام کا منصوبہ ابھی زیر غور ہے، اس کی تعمیر میں ۵۵ ملین فن لینڈی مارک کی لاگت آئے گی اور ایک مسجد اور کچھ شاخوں پر مشتمل ہوگا، اسی طرح ٹامپری شہر میں ایک مسجد ٹامپری کی مسلم تنظیم کے ماتحت ہے، اور ایک مسجد ٹورکو شہر اور ایک برومیاہ شہر میں واقع ہے۔

اسلامی تعلیم وتربیت

ابتداء میں یہاں مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت گھر تک ہی منحصر تھی، لیکن اب "تنظیم اسلامی" نے حلنسکی میں مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک پرائمری اسکول کا آغاز کیا ہے، فن لینڈی حکومت مسلم برادری کے کچھ خاص اسکولوں کا مالی تعاون کرتی ہے، لیکن اس وقت مسلم برادری کو ان شہروں میں جہاں وہ آباد ہیں مزید اسکولوں کی اشد ضرورت ہے۔

چیلنجز

فن لینڈ میں بسنے والے مسلمانوں کے سامنے متعدد چیلنجز ہیں جیسے فن لینڈی معاشرے میں ذوبانیوں کا تفوق اور اثر ونفوذ، عالم اسلام سے بالکل انقطاع، اسلامی اسکولوں کی قلت، اسلامی دینی نصاب اور اسلامی کتب کی عدم فراہمی، ایسے علماء کا فقدان جو فن لینڈی زبان سے اچھی طرح واقف ہوں۔

مطالبے

یہاں کے مسلمانوں کا سب سے اہم مطالبہ یہ ہے کہ عالم اسلام سے ان کو کاٹ نہ دیا جاہے، اور حلنسکی میں ایک اسلامک سینٹر کے منصوبے کو جلد از جلد عملی صورت دی جائے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ فن لینڈی حکومت مسلمانوں کے معاملہ میں دیگر مغربی ممالک کے مقابلہ میں زیادہ مخلص اور ہمدرد ہے، اسی وجہ سے اسلامی دعوت وتبلیغ کے لیے اسلامی برادری سے باہر تک جانے کی پوری اجازت ہے۔

☆☆☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید ودیدہ زیب طباعت

☆ پاجا سراغ زندگی

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

طلبائے علوم نبوت کا منصب ومقام، ملت کی ان سے توقعات، عصر حاضر میں ان کی ذمہ داریاں۔

صفحات: ۲۰۰ قیمت: ۹۰ روپے

☆ ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

موجودہ ہندوستانی مسلمانوں کا مذہبی، تمدنی اور معاشرتی تعارف، ان کے عقائد، عبادات، مذہبی تہواروں، رسم ورواج، عادات واخلاق اور ان کی ملی خصوصیات کا بیان۔

صفحات: ۱۲۸ قیمت: ۸۰ روپے

نوٹ: طلباء کے لئے خصوصی رعایت

ناشر: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

پوسٹ بکس ۱۱۹، ندوۃ العلماء کیمپس، ٹیگور مارگ، لکھنؤ

Ph No.: 0522-2741539 - Mob No.: 9889378176

Email.airpnadwa@gmail.com

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں

ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA

44, Haji Building S.V. Patel Road

Null Bazar, Mumbai-400003

Tele Add Cupkettle

Ph: 23460220-23468708

MAQBOOL JEWELLERS

مقبول جویلرس

جوتے والی گلی امین آباد

Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow

Mob.: 9956069081-9919089014

Shop No. S-13 Gole Market, Mahanagar Lucknow

Ph: 0522-4000130 (S) - 4001130

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز

اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ

Shirt, Trousers, Coats, Embroidered Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties

menmark®

Men's Exclusive

MFG, Wholesale, Export & Retail

58, Halwasia Market, Hazratganj, Lucknow-226001

ماہ مبارک کی عبادت مبارک مبارک!

روز عید کی مسرت مبارک مبارک!

پروپرائٹر: ولی اللہ

ولی اللہ جویلرس

WALIULLAH

Jewellers

ALL KINDS OF GOLD, SILVER & DIAMOND JEWELLERY

Mob. 9415090544, 9936672278

Phone : 0522-2627446 (S)

e-mail : waliullahjewellers@gmail.com

Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں

ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

کیفے فردوس

CAFE FIRDOS

Partly Air Condition

MOGHALAI & CHINESE FOOD

Tel.: 23424781 - 23459921

145, Sarang Street, Crawford Market, Mumbai-400003

Mohd. Zubair

Mohd. Salman

0522-2618629

09415028247

09919091462

Sahara FOOTWEAR

wholesale

35, Amethi House, Near Post Office, Aminabad, Lucknow-18

Despatch Date, 10-12 / 25-27
Vol. No. 50 Issue No.04
Forthnightly
TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07
Fax : 0522-2741221
E-mail : nadwa@sancharnet.in
25 December, 2012

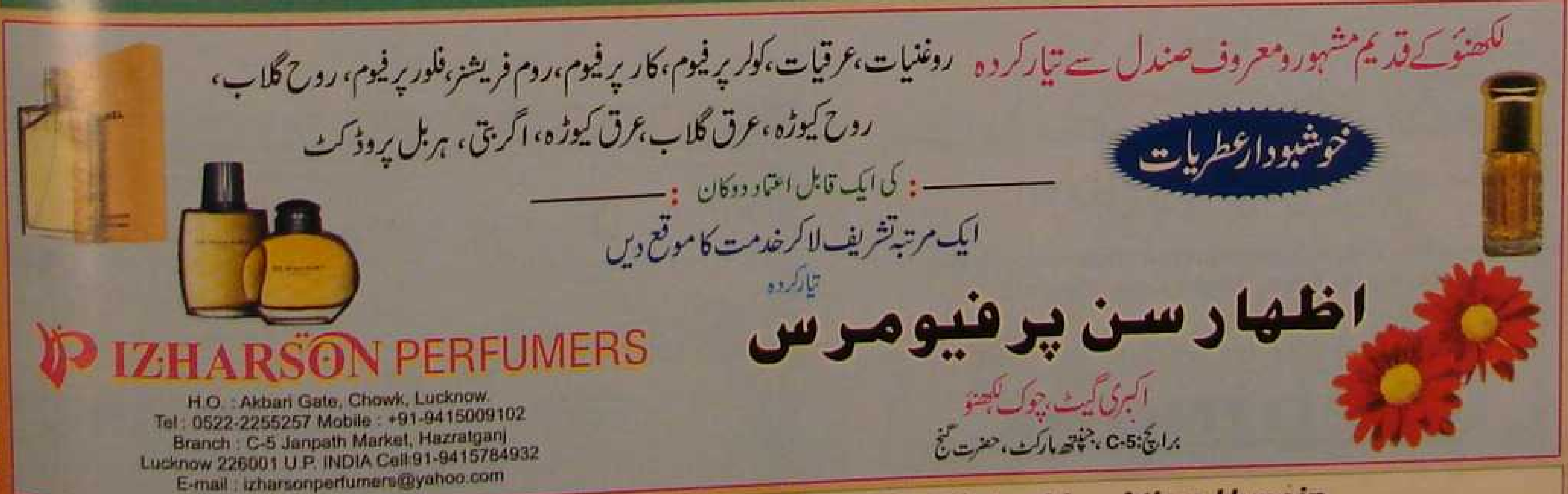

Designed By : Future Graphix, Lko. Mobile : 7860632916

Editor *Shamsul Haq Nadwi*, Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Azad Printing Press Mahboob Building Nazirabad, Lko. Ph: 9415100085